ارمغانِ عقیدت

میں

بلحاظ اُس عقیدت و ارادت کے

جو مجھے حضرت مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ

کی ذات بابرکات سے ہے،

"تحفۂ محبوبی"

آپکے حضور میں پیش کرنا سعادتِ دارین

تصوّر کرتا ہُوں.

نیاز آگین غلام محی الدّین

مدیر "کشمیر" امرتسر

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
(۱)	ارمغانِ عقیدت	۱
(۲)	گذارش	۲
(۳)	دیباچہ	۳
(۴)	باب اوّل - تمہید	۹
(۵)	باب دوم - نسب نامہ اور خاندان	۱۱
(۶)	باب سوم - پیدائش، تعلیم اور ریاضت	۱۹
(۷)	باب چہارم - فیوضِ روحانی	۲۷
(۸)	باب پنجم - تبلیغ و ریاضت	۳۳
(۹)	باب ششم - ہمعصر حضرات	۴۰
(۱۰)	باب ہفتم - سلسلۂ خلفاء	۴۳
(۱۱)	باب ہشتم - ارشادات وہدایات	۵۵
(۱۲)	باب نہم - وصال	۵۷
(۱۳)	باب دہم - احاطۂ زیارت گاہ اور مجاور	۵۹
(۱۴)	باب یازدہم - اعراس مشائخ	۶۳

گذارش

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے۔

معزز احباب! ایک ہفتہ وار اخبار کی ترتیب وتدوین، انتظام واہتمام اور اُس کے متعلقات کے مخمصہ سے اِتنی فرصت کہاں تھی، کہ تصنیف وتالیف کے ایک مشکل ترین فرض کا بھی اپنی ذمّہ داریوں میں اضافہ کیا جاتا، مگر اکثر درد مند محبّانِ قوم کے شدید اصرار اور ضروریاتِ ملت کے ناقابلِ انکار تقاضا سے مجبور ہو کر سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ "ورنہ من آنم کہ من دانم"!

اِس سلسلۂ اشاعت میں ایسی کتابوں کی طباعت ملحوظ رہے گی، جو ملک و مِلّت کے لئے بالعموم اور خطّہ و اہلِ خطّہ بھائیوں کے لئے بالمخصوص کسی نہ کسی پہلو سے مفید و کار آمد ہوں گی۔

سب سے پہلے کشمیر جنت نظیر کے ایک بزرگ و برتر ولی اللہ حضرت مخدوم شیخ حمزہ علیہ الرحمۃ کی سرچشمۂ کیف وسرور و منبع حق وصداقت سوانح عمری سے بسم اللہ کی گئی ہے، تاکہ خداوندِ عالم اِس آغاز کا انجام نیک کرے۔

انشاء اللہ العزیز حتی الامکان یہ مفید سلسلہ جاری رہے گا، اور کوشش کی جائیگی کہ وقتاً فوقتاً برادرانِ کشمیر کی خدمت میں ایسی کتب پیش کی جائیں، جو اخلاقی، اقتصادی، اجتماعی، معاشرتی، مذہبی اور قومی لحاظ سے اُن کے مفید مطلب ہوں۔ لیکن اس کے لئے اپنے قوم پرور اور محبانِ ملّت احباب کی امداد و استعانت کی بے حد ضرورت ہوگی، اُمید ہے، آپ اپنی مسلّمہ علمی قدر شناسی کے اعتبار سے دریغ نہ فرمائیں گے

والسّلام!

نیاز مند مولّف

خاصانِ خُدا خُدا نباشند
لیکن زخُدا جُدا نباشند

خاکدانِ ہستی ایک تاریک کرہ ہے۔ اگر چاند اور سُورج اَوقات مقررہ پر اپنی ضیا باریوں سے منور نہ کرتے، تو یہاں کے رہنے والے سکندر کی طرح عالم ظلمات میں بھٹک بھٹک کر جان دیتے، اور اس آبِ حیات کا ایک گھونٹ بھی حاصل نہ کر سکتے، جس کے لئے وہ عدم آباد سے مختلف منازل طے کرتے بہزار دِقت یہاں پہنچے۔

کیا انسان کا مقصدِ حیات یہی تھا، کہ وہ دُنیا میں آتا، چندے قیام کرتا، اور بھلی بُری زندگی بسر کر کے، جدھر سے آیا تھا، بصد حسرت و یاس واپس چلا جاتا؟ اگر تخلیق انسان کی غرض و غایت یہی تھی، اشرف المخلوق کی آمد و شد ہی دُنیائے فانی کیلئے موجبِ افتخار تھی، تو اس سے خوبصُورت، زبردست، اور بکار آمد ذی حیات خلقت موجود ہے۔ اگر انسان نہ ہوتا، تو ایک پُرفضا وادی میں سرو ہائے آزاد کی قطاریں ہوتیں، اشجارِ ثمرور لہلہاتے نظر آتے، خودرُو پھُول نرم و نازک شاخوں کی زینت ہوتے، کلیاں مُسکرا مُسکرا کر پھُولوں کی آغوش میں چھُپتیں، کوسوں تک سبزۂ نوخیز کا فرش ہوتا۔ جس پر طاؤسانِ طناز رقص کرتے، بلبل کوئل کی ہم آہنگ ہو کر نغمہ سرائی کرتی، اور کوئل کی کوک بُلبل کے ترانوں میں محو ہو کر فضائے بسیط میں ایک وجدانی ارتعاش پیدا کر دیتی۔ کیا یہ سحر آگین منظر فطرت کو پسند نہ تھا؟ آدمزاد کا محض باغبان، صیّاد، اور گلچین کے لباس میں ظہور پذیر ہونا ہی موجب ابتہاج ہُوا؟ وسیع و فراخ جنگلوں اور سرسبز میدانوں میں صحرائی جانور، آزاد پرند اور بیباک درند، ایک علیحدہ اور خوشگوار دُنیا بسائے ہُوئے تھے، شیر جنگل کا بادشاہ

تھا، لیکن دوسرے جانور بھی جہاں جی چاہتا چلتے پھرتے، اور آرام کرتے ہرن اپنے رمنوں سے نکل کر کلیلیں بھرتے کوسوں اِدھر اُدھر نکل جاتے۔ پرند دن بھر پھل پھول کھاتے، اور رات کو اپنے آشیانوں میں بے فکری کی نیند سوتے۔ کیا انسان کو قدرت نے اس لئے بھیجا تھا، کہ پُرسکون اور با امن آبادی کے نظام میں مخل ہو۔ کر یہاں کی آزاد مخلوق کو اسیر و پابند کرے، یا تیر و تفنگ کا نشانہ بنائے؟

نہیں انسان کا مقصدِ حیات کچھ اَور تھا، اس کے عدم سے وجود میں آنے کی علّتِ غائی نہایت اعلیٰ وارفع تھی۔ بلکہ انسان کو اُن امُورِ اہم کی انجام دہی کے لئے مامور کیا گیا تھا، جن سے فرشتے بھی قاصر تھے، اِسی لئے مسجودِ ملائک ہُوا۔ اور اشرف المخلوق کا خلعت فاخرہ زیبِ تن کر کے دُنیا میں آیا۔ اور اس سرزمین میں اُن غلطیوں کو محسوس کر کے جو اسکے جد امجد سے خلد بریں میں سرزد ہوئیں، بیتابانہ بول اُٹھا۔ ؎ ما دانہ خوردہ ایم بغفلت زباغِ خلد

آمد بہوش طائرِ سدرہ بدامِ ما

مگر نوعِ انسان اُس فطری لغزش سے محفوظ نہ رہ سکی، جو احساس نفس کے وقت سے اس کی سرشت میں پیوست ہو چکی تھی۔ وہ گمراہی کی طرف جانے لگی، اور دنیا کے لہو ولعب نے اُسے جادۂ مقصود سے دور پھینک دیا۔ یہی وجہ ہے، کہ مختلف عہود و قرون میں جلیل القدر انسان اپنی گم کردہ راہ نوع کی رہنمائی کے لئے ظہور پذیر ہُوئے۔ اور اپنا اپنا فرض ادا کر کے عالمِ بقا کی طرف چلے گئے۔

کبھی حضرت نوحؑ اپنی نابکار قوم کی ہدایت اور سرزنش پر مامور ہُوئے، کبھی حضرت ابراہیمؑ نمرود اور اسکے حلقہ بگوشوں کے استیصال کے لئے تشریف لائے۔ کبھی حضرت موسٰیؑ نے فرعون کے طلسمِ رُبوبیّت کو باطل کرنے کے لئے جلوہ دکھایا، اور کبھی حضرت عیسٰیؑ اسرائیل کی کھوئی ہُوئی بھیڑوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے صحرائے ہستی میں بادیہ پیما ہُوئے۔ آخر کار جب تمام دُنیا سہو ونسیان اور خطا ومعصیت کی جولانگاہ بن گئی۔ کفر و شرک کی ہولناک ظلمت ہر طرف مسلط ہوگئی، تو آفتابِ رسالت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہُوئے۔ جن کے نور و ظہور سے تمام دُنیا میں اُجالا ہو گیا۔

آپ کے بعد جب کبھی دُنیا کے کسی گوشہ میں گناہ اور کفر و ضلالت کی تاریکی پھیلی، تو اولیائے عظام چاند تاروں کی طرح نمودار ہو کر وہاں کے باشندوں کی رہنمائی کرتے رہے۔

جب حضرت مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کتمِ عدم سے وجود میں آئے، تو کشمیر جنت نظیر دوزخ کا نمونہ بن رہا تھا۔ آپ بچپن ہی سے نیک کاموں کی طرف مائل اور لہو و لعب کے مشاغل سے کنارہ کش تھے۔ حصولِ تعلیم میں ایسے اشتیاق و انہماک سے کام لیا، کہ اساتذہ حیران تھے۔ اور دل ہی دل میں کہتے تھے۔ ؎

بالائے سرش زہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

حضرت مخدوم نے علمِ دین کے حصول کے ساتھ حق شناسی و معرفت آگاہی کی طرف خاص توجہ دی۔ یہی وجہ ہے، کہ عالمِ شباب ہی میں علمِ عرفان کے سب باب اُن پر وا ہو گئے۔ کیونکہ اکثر عرفا کو پیرانہ سالی میں بھی یہ سعادت نصیب نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے، کہ حضرت مخدوم نے اپنے نفس پر قابو پا لیا، دُنیا کی آسائشوں کو لات ماردی، فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کی۔ شب و روز ریاضت و عبادت کا مشغلہ جاری رکھا۔ دن کو وعظ و کلام، پند و نصائح اور درس و تدریس سے کام تھا، اور رات کو ریاضت و عبادت میں مصروف رہتے۔ جاڑے کی اُن خوفناک راتوں میں جبکہ سردی کی شدّت سے پانی بھی جم جاتے ہیں۔ چشمے اور دریا مرمریں فرش نظر آتے ہیں، حضرت مخدوم کا اپنی قیام گاہ سے نکل جانا، اور آدھی رات کے وقت برفانی پانی سے غسل کر کے جنگل کے کسی گوشے میں بیٹھ کر صبح کر دینا انہی کا کام تھا۔

یہ وُہی لافانی رُوح تھی، یہ وُہی عدیم النظیر جذبہ تھا، جو ایک عاشقِ صادق کو پہاڑ کاٹنے کی جرأت دلاتا ہے، ایک طالبِ جاں نثار کو بادیہ پیمائی کا دلدادہ بنا دیتا ہے۔ عاشقانِ مجازی کے کارنامے، اور اُن کی جان سپاری کے افسانے پڑھنے سننے والوں کو نقشِ حیرت بنا دیتے ہیں۔ لیکن طالبانِ محبوبِ حقیقی بیکو محویّت ہمہ تن عشق بن جاتے ہیں۔ جدھر جاتے ہیں، "وُہی" نظر آتا ہے۔ جدھر دیکھتے ہیں، "اُسی" کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ جب وہ صحرائے پُرخار میں قیسِ آبلہ پا تلاشِ لیلا میں

حیران و سرگرداں پاتے ہیں، تو بیساختہ پکارتے ہیں۔ ؎

خاک صحرا کی عبث تو چھانتا ہے بے خبر!
ڈھونڈتا ہے جسکو محمل میں وہ تیرے دل میں ہے

عشقِ الٰہی کا جذبۂ بے پناہ ہی حضرت مخدوم کو سر بفلک پہاڑوں، پُرخطر غاروں اور لق و دق جنگلوں میں لئے پھرتا تھا۔ خونخوار درندے اُن کے ہمدم و ہمجلیس ہوتے تھے، کوئی اُن کو گزند نہیں پہنچا سکتا تھا۔

حضرت مخدوم باوجود بادۂ وحدت سے مست و سرشار ہونے کے شرعی قیود اور مذہبی آئین کے پُورے پابند تھے۔ اس لئے کہ خدائے تعالےٰ نے اُنہیں محض اپنی اصلاح و فلاح اور تزکیۂ نفس کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ خدمتِ قوم اور رفاہِ خلق کے لئے مامور فرمایا تھا، تاکہ وہ بھُولے بھٹکے اور گم کردہ راہ لوگوں کو حق و صداقت کی صراطِ مستقیم دکھائیں۔ کیونکہ عوام الناس کا پابندِ شریعت رہنا، اور احکام دین پر عامل ہونا ہی سعادتِ دارین، اور اِسی میں اُن کی فلاح مضمر ہے۔

حضرت مخدوم علم و عمل کے لحاظ سے ایک برتر ہستی تھے، اور کسی دُنیاوی طاقت سے مرعوب و متاثر ہونا ان کی فطرت و جبلیت کے قطعاً منافی اور عادت و طبیعت کے سراسر خلاف تھا۔ چنانچہ حاکمِ وقت غازی خاں چک جو حضرت کے عقائدِ مذہبی کے خلاف تھا، سخت مخالف ہوگیا۔ اور آپ کو سری نگر چھوڑنا پڑا۔ لیکن وہ جلدی ہی اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔

حضرت مخدوم ایک کامل ولی تھے، اُنہوں نے دربارِ رسول[ؐ] میں شرف باریابی حاصل کیا۔ اور اُن کی ذاتِ والا صفات سے زندگی میں بے شمار کرامات ظہور میں آئیں، جس سے تمام کشمیر میں اُن کی قدر و منزلت کا سکّہ بیٹھ گیا۔ اور صدہا بندگانِ خدا روزانہ اُن کے درس و تدریس، روحانی برکات، اور فیضانِ صحبت سے بہرہ اندوز ہوتے رہے۔

بعض مسلمان انبیائے کرام کے معجزات اور اَولیائے کرام کی کرامات کے منکر ہیں، اور ان مافوق العادت مظاہر کو قانونِ قدرت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے، کہ ایسے لوگ اپنے علم و عقل کے محدود دائرہ ہی میں قدرت

کو مرکوز سمجھتے ہیں، اور قانونِ قدرت کو اپنی استعداد فہم و ادراک کا پابند خیال کرتے ہیں۔ لیکن کس کو خیال تھا، کہ کسی وقت ٹیلیگراف، لاسلکی، گراموفون، بائیسکوپ، فوٹوگرافی جیسی معجز نما ایجادوں سے حضرت انسان دُنیا کو حیران کر دیگا۔ رُوحانیات کے سنکر اہلِ مغرب اب قوتِ ارادی کے جذب و کشش سے متوفیین کی ارواح سے بات چیت کرتے ہیں۔ اور اُن سے دوسری دُنیا کے حالات دریافت کرتے ہیں، تو اولیائے کرام کا حضرت رسُول کریمؐ اور دوسرے بزرگان دین سے ملاقی ہونا، نیز مافوق العادت مظاہر سے قدرت کے رازہائے سربستہ کا انکشاف کرنا، ہرگز قانونِ قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

الغرض حضرت مخدوم اپنے وقت کے ایک برگزیدہ اور مقتدر بزرگ تھے جنہوں نے دین اسلام کی بہترین خدمت کی، ہزارہا بندگان خدا کو رشد و ہدایت کی نعمت سے مستفید فرمایا۔ کفر و ضلالت کے قعرِ عمیق سے نکال کر صراطِ مستقیم پر پہنچایا۔ کوئی کہاں تک اُن کے اوصاف قلمبند کرے۔ ؎

داماںِ نگہ تنگ، گلِ حُسن تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو زداماں گِلہ دارد

لیکن یہ امر موجبِ افسوس ہے، کہ ایسے خدا پرست، دُنیاوی تکلفات سے بے نیاز اور فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرنے والے بزرگ کا مقبرہ اب دُنیاداروں کی تماشہ گاہ، نغمہ و سرود کا مقام، مجاوروں کی دوکان، اور ہوس پرستوں کی عشرت سرا بن رہا ہے۔ اِن حالات کو حضرت مخدوم کا کوئی مخلص عقیدت مند سکونِ خاطر سے برداشت نہیں کر سکتا۔

متولیانِ زیارت اور ارادت مندانِ درگاہ سے گذارش ہے، کہ وہ اِن رنجدہ حالات کی اصلاح فرما کر ثواب دارین حاصل کریں، اور اُس آسودۂ خواب محترم ہستی کی رُوح کو مسرور فرمائیں۔

مجھے اخبار "کشمیر" کے کاروبار سے اتنی فرصت نہ تھی، کہ سلسلہ تصنیف و تالیف جاری کر سکتا۔ لیکن محترم دوست جناب حاجی خواجہ عبدالاحد صاحب داد راجوری کدل سری نگر نے مجھے ترغیب دی، کہ میں مفید قوم و ملک کتب کا سلسلہ بھی شروع

کروں۔ اور یہ ترغیب مجبوری کی حد تک پہنچ گئی۔ چنانچہ مجھے ناچار اُن کے ارشاد کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ اور وعدہ کیا، کہ انشاء اللہ حتی الامکان آپکے حکم کی تعمیل کی جائیگی۔

اِس وعدہ کے ایفا کے لئے ایسے موضوع کی تلاش ہُوئی، جو متبرک بھی ہو، مفید بھی ہو، اور کشمیر سے متعلق بھی ہو۔ انجام کار بہت غور و فکر کے بعد طبیعت نے فیصلہ کیا، کہ سب سے پہلے کشمیر کے مقتدر و محترم بزرگ حضرت مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کی مقدس سوانح عمری شایع کی جائے۔ تاکہ برادرانِ کشمیر اپنے مخلص رہنما اور عدیم النظیر پیشوا کے سبق آموز حالات زندگی سے آگاہ ہوکر اپنی دُنیا و عاقبت کو سدھار سکیں۔ اور اس فیصلہ کے ساتھ ہی مواد کی فراہمی، اور اسکی ترتیب و تدوین شروع کردی۔ خدا کا شکر ہے، کہ مجھے اس میں خاطرخواہ کامیابی ہُوئی، اور میں اس قابل ہوگیا، کہ ایک ناچیز "تحفہ" جو نفس مطلب کے لحاظ سے "گراں بہا ہدیہ" ہے، ناظرینِ کرام کی خدمت میں پیش کرسکوں۔ لہذا "تحفۂ محبوبی" کے نام سے حضرت مخدوم کے حالاتِ زندگی اور فیوض روحانی ہدیۂ احباب کرتا ہُوں۔

میں جناب مولانا مولوی مفتی محمد شاہ صاحب سعادت رئیس و شاہی شاعر، سابق میونسپل کمشنر محلہ جامع مسجد سری نگر کا بے حد ممنون منت ہُوں، کہ جنہوں نے کتاب کے مواد کی فراہمی میں گرانقدر امداد فرمائی۔ جناب پیر سید محمد شاہ صاحب کلال دوری جانشین پیر بزرگ شاہ صاحب مرحوم زینہ کدل سری نگر نے کئی ایک کتابیں دکھا کر ممنون کیا، جس سے مجھے بہت سی امداد ملی۔

پیر حفیظ اللہ صاحب محلہ مخدوم صاحب نے اِس کتاب کی اشاعت کے لئے دلی خواہش کا اظہار کیا تھا، اور دُعا فرمائی تھی، کہ "اللہ تعالیٰ یہ سعادت آپ کو عطا کرے"۔

بحمداللہ! آپ کی دُعا قبول ہُوئی، اور توقع ہے، کہ میری ناچیز کوشش شرفِ قبولیّت حاصل کرے گی۔

نیاز آگین غلام محی الدین
مدیر "کشمیر" امرتسر

یکم اگست ۱۹۳۱ء

تحفۂ محبوبی

باب اوّل

تمہید

شکر للہ حال من هر لحظه نیکوتر شد است
شیخ شیخاں شیخ حمزہ تا مرا رہبر شد است

کوئی ایسی قوم نہیں، جس میں دینی و دنیاوی اولوالعزم مشاہیر و اکابر کا وجود نہ ہو، کوئی ایسا فرد نہیں، جو اپنی محترم و مقتدر ہستیوں کے حالات و مقالات کے مطالعہ و ملاحظہ کا کسی حد تک مشتاق نہ ہو، کیونکہ ایسے سبق آموز کارناموں اور تذکروں میں ہمّت و استقلال، جرأت و استقامت، عزم و ثبات، اور حریّت و حقیقت شناسی کے لاانتہا درس موجود ہوتے ہیں۔ ایسے مطالعہ سے انسان کے دل و دماغ پر تقریباً وہی اثرات پیدا ہوتے ہیں، جو ایک خدا رسیدہ بزرگ کے فیضان صحبت سے ممکن ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے، کہ اہلِ علم مسلمانوں، خصوصاً کشمیر جنت نظیر کے حلقہ بگوشان اسلام کے اس فخر و امتیاز کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے اپنی محترم اور مخیّر ہستیوں، دینی و دنیاوی بزرگوں، علما و فضلا، اور شعرا و ادبا کے حالات کا کثیر و بہترین سرمایہ جمع کر کے محفوظ رکھا ہے۔ اس سے زیادہ کیا فخر ہو سکتا ہے، کہ اولیائے کشمیر کے ایک مشہور مقدس خدا رسیدہ بزرگ حضرت سلطان مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے آپ کے سولہ ہم عصر و ہم جلیس اصحاب نے قلمبند کئے ہیں۔

ہرچند سرزمینِ کشمیر میں بہت سے نامور اور مقدس مذہبی پیشوا گذرے ہیں، جو اپنے اوصافِ حمیدہ کے اعتبار سے ممتاز و مایۂ ناز تھے۔ لیکن حضرت سلطان مخدوم ممدوح اپنے فضائل و محاسن کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے جب دُنیا میں نزولِ اجلال فرمایا، مسلم سلاطین کشمیر کا دورِ حکومت قریب الاختتام تھا۔ اور چک خاندان کے کارکن اور افراد یہاں تک کہ ملک موسٰی رینہ، ملک کاجی چک، غازی خاں چک، جو کہ امیر شمس الدین عراقی کی بدولت شیعہ مذہب کے حلقہ میں آگئے تھے۔ ایسے جبر و استبداد اور مذہبی تعصّب سے حکومت کا سکّہ جمانے لگے، کہ اہلِ تبّت کی تمدنی، اقتصادی اور مذہبی حالت پر بہت بُرا اثر پڑا۔ یہاں تک، کہ سنیّوں کی بڑی تعداد مجبور ہو کر شیعہ مذہب میں داخل ہو گئی۔ اور بعض لوگ ناچار پنجاب و ہندوستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ اِس پُر آشوب زمانہ میں اگر حضرت سلطان شیخ حمزہؒ کا وجود ذی جود اپنے روحانی اعجاز کے ساتھ بروئے کار نہ آتا، تو سنیّوں کا اپنے مسلک پر قائم رہنا محالات سے تھا۔

اگر ایسے مصلح قوم، مجدّدِ وقت، سرتاجِ اولیا، اور حامئ دین، کے صوفیانہ اور مبلغانہ حالات پردۂ خفا میں رہتے، تو یہ نہ صرف پرلے درجہ کی احسان فراموشی ہوتی، بلکہ آیندہ نسلوں کو اُن کے روحانی فیوض سے محروم رکھنے کا ایک ناقابلِ معافی فعل سرزد ہوتا۔

اِس تذکرہ میں حسب ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے :-

وِردالمریدین۔ دستورالسالکین، تذکرۃ العارفین، رسالہ سلطانی، حجۃ العارفین، تذکرۃ المرشدین۔ درجات السادات، تحائف الابرار، خوارق السالکین، باغ سلیمان، تاریخ شائق، سلطانی منظوم، اسرار الابرار، نورنامہ، اسرار الاخیار، واقعات کشمیر اشجار الخلد۔

"تحفۂ محبوبی" میں باوصف اختصار کے اُن تمام حالات و واقعات کو قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو آپ کی ذات بابرکات سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاکہ ناظرین بلاتکلف اس کے مطالعہ سے مستفید ہو کر ان کی مقدس زندگی کی پیروی کریں۔

باب دوم

نسب نامہ اور خاندان

نسب نامہ اب ہم حضرت ممدوح کا سلسلہ نسب بیان کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے، کہ آپ کس گرانقدر خاندان کے بیش بہا موتی ہیں۔ نسب نامہ ملاحظہ ہو:-

(۱) مخدوم شیخ حمزہؒ کشمیری (۲) ابن بابا عثمان رینہ (۳) ابن زینی رینہ (۴) ابن جہانگیر رینہ (۵) ابن دولت رینہ (۶) ابن ابدال رینہ (۷) ابن احمد رینہ (۸) ابن راون چندر (۹) ابن رام چندر (۱۰) ابن سنگرام چندر (۱۲) ابن بلاد چندر (۱۳) ابن مل چندر (۱۴) ابن سوسرم چندر۔

خاندان تاریخی معلومات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ کا خاندان چندر بنسی راجپوت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خاندان کے اکثر افراد مشہور جاگیردار، اہل دربار مقتدر فرماں روا اور صاحب اقتدار گذرے ہیں۔ مورخین ہنود کا قول ہے، کہ چندر بنسی خاندان کا سلسلہ نسب برھما تک پہنچتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے، کہ برّاعظم ہندوستان زمانہ قدیم میں دو ہی خاندانوں کے زیر نگیں تھا۔ ایک کو سورج بنسی کہتے تھے، اور دوسرے کو چندر بنسی کے نام سے خطاب کرتے تھے۔ یہ مستقل عملداری ہزاروں سال تک پوری شان و شوکت سے قایم و برقرار رہی۔ چندر بنسی خاندان کا مرکز حکومت اودھ الہ آباد میں تھا۔ آخر بزرگانِ اسلام کے عدیم النظیر اسوۂ حسنہ اور دینِ فطرۃ کی ہمہ گیر تعلیم نے اس خاندان کو توحید الٰہی کے نور سے معمور کر دیا۔ اور سورج بنسی خاندان بھی نورِ اسلام کی باطل سوز شعاعوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ تاریخی اسناد سے ثابت ہوتا ہے، کہ یہ خاندان جو ہندویت کی آغوش میں صدیوں تک پرورش پاتے رہے، اور ہزاروں سال تک ہندو مذہب کے راسخ الاعتقاد پیرو چلے آتے تھے، متزلزل

ہو گئے، اور رفتہ رفتہ صراطِ مستقیم پر آتے گئے۔

خارج البلد افراد میں مل چندر کے باپ سوسرم چندر کا نام خصوصیت سے لیا جاتا ہے، جو اپنے قدیم وطن سے ہجرت کر کے نگر کوٹ میں جس کے حدود ضلع کانگڑہ سے ملتے ہیں، آ کر مقیم ہُوا۔ ابتدائی ایام میں جیسا کہ نو وارد غریب الوطن مسافر گذارہ کیا کرتے ہیں، تنگدستی اور کس مپرسی کی حالت میں رہا۔ لیکن صبر و تحمل اور دانش و تدبّر سے نگر کوٹ کی حکومت پر قابض ہو گیا۔

سوسرم چندر کی وفات کے بعد مُل چندر اُسکی جگہ مسند حکومت پر بیٹھا۔ اور جلدی ہی جبروت شدد، اور نخوت و بے پروائی سے عوام کو اپنا مخالف بنا لیا۔ نتیجہ یہ ہُوا، کہ بغاوت عام ہو گئی، اور شاہ دہلی نے اہلکاروں سے ساز باز کر کے نگر کوٹ پر حملہ کر دیا۔ اور مُل چندر قلعہ بند ہو گیا۔ جب کوئی صورت کامیابی کی نہ دیکھی، تو مجبور ہو کر کشمیر کی راہ لی۔ راستہ میں معلوم ہُوا، کہ سرزمین کشمیر جنت نظیر راجہ جے سنگھ کے زیرِ نگیں ہے، جو نہایت فراخ دل اور خاندانی شریف لوگوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرتا ہے۔ وہ فوراً راجہ جے سنگھ کے دربار تک پہنچا، اور اپنی غریب الوطنی، بے سرو سامانی اور مصیبت کی داستان نہایت درد انگیز لہجہ میں بیان کی۔ راجہ جے سنگھ خاطر و مدارات سے پیش آیا، اور اسکو اپنا مقرّب خاص بنا کر پرگنہ لار کی جاگیر داری بھی مرحمت فرمائی۔ صرف زمینداری اور جاگیر داری ہی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ محدود جاگیرات کے سو دیہات کی حکومت کا مالک بنا دیا۔ قدر شناسی نے حوصلہ افزائی کی، اور رفتہ رفتہ سپہ سالاری کے فرائض بھی اُس کو تفویض ہو گئے۔ جنہیں وہ خوش اسلوبی سے انجام دیتا رہا۔ پھر فوجی وزارت کا عہدہ مل گیا۔ اِس عہدہ کا نام اُن دنوں "رینہ" تھا۔

یہی مُل چندر تھا، جس نے چنگیز خاں والئ ترکستان کے بے پناہ حملہ سے نہ صرف کشمیر بلکہ ہندوستان کو محفوظ رکھا۔

واقعہ کی تفصیل یوں ہے، کہ راجہ جے سنگھ کی تخت نشینی کو ڈیڑھ سال کا عرصہ گذرا، کہ ۵۲۵ھ میں پنجاب پر پوری شان و شوکت سے حملہ آور ہُوا، اور پنجاب کے متعدد علاقوں پر قبضہ کرنا چاہا۔ سلطان محمود غزنوی کے فاتحانہ حملوں نے

اہلِ ہند کے دلوں پر نقش کر رکھا تھا، کہ ترکی شمشیر زنی کے مقابلہ میں اُن کی دال نہیں گل سکتی۔ اِس لئے اس حملہ نے تمام ملک پنجاب میں بے حد اضطراب پیدا کر دیا۔ چنانچہ پنجاب کے اکثر راجے متفق ہو کر غنیم کی مدافعت کے لئے دریائے اٹک کے کنارے پر جمع ہُوئے۔ راجہ جے سنگھ بھی قومی حفاظت کی غرض سے ایک لشکر جرّار لے کر میدانِ کارزار میں آیا۔ اور غنیم کی پیش قدمی کا انتظار کرنے لگا۔ ایک دن راجہ جے سنگھ نے وزیر مُل چندر کو حکم دیا، کہ رات کے وقت کسی ہوشیار اور چالاک آدمی کو بطور جاسوس ترکی فوج میں بھیجے، تاکہ غنیم کی طاقت اور اُس کے فوجی استحکامات کی کیفیت معلوم ہو جائے۔ اور مقابلہ کے لئے مناسب انتظام ہو سکے۔ وزیر مُل چندر نے اس کارِ اہم کے لئے کسی دوسرے پر اعتبار نہ کیا، اور خود ترکی لشکر میں چلا گیا۔ چاروں طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتا، اور اپنے آپ کو بچاتا چنگیز خاں کے خیمے تک پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ پہرے والے اونگھ رہے ہیں، اور چنگیز خاں بھی خوابِ استراحت میں مدہوش ہے۔ مُل چندر دبے پاؤں خیمہ میں داخل ہو گیا۔ اور اُس کے سرہانے اپنا جوتا اور اس میں ایک خط رکھ کر واپس آگیا۔ صبح کو جب چنگیز خاں بیدار ہُوا، تو جوتا دیکھکر حیران رہ گیا۔ جب اُسے اُٹھایا گیا، تو اُس میں سے ایک خط نکلا، جس کا مضمون یہ تھا:-

"میں مسمی مُل چندر جو راجہ جے سنگھ والئ کشمیر کا وزیر ہوں، رات کو جب تم خوابِ غفلت میں دُنیا و مافیہا سے بے خبر پڑے تھے، تمہارے سر پر آن پہنچا۔ مَیں نے چاہا، کہ تمہارا سر تن سے جُدا کر دوں، تاکہ خلقِ خدا تمہارے فتنہ و شر سے نجات پائے۔ لیکن بے خبری کی حالت میں قتل کرنا، شرطِ مردانگی کے خلاف سمجھا، اور تمہارے خون سے درگذر کیا۔ اگر شرم و حیا ہے، تو خود سوچ لو، بہادروں سے لڑنا ٹیڑھی کھیر ہے۔"

یہ دیکھکر چنگیز خاں اپنی جسارت پر سخت نادم ہُوا، اور صلح کر کے اپنے ملک کو لَوٹ گیا۔ اِس خدمت کے صلہ میں مُل چندر کو تبت خورد و کلاں یعنی لیہ لداخ اور اسکردو دونوں علاقے بطور جاگیر عطا ہُوئے، اور قدر و منزلت بھی پہلے سے دوچند ہو گئی۔ موضع گنگنہ گیر علاقہ لار میں مُل چندر نے ایک سنگین مندر بلکہ قلعہ بنوایا، جس میں

عیش و کامرانی سے زندگی بسر کرتا رہا۔
جے سنگھ کی وفات کے بعد جانشینی کے لئے طرح طرح کی سرگوشیاں ہونے لگیں، تمام رعایا اس امر پر زور دیتی تھی، کہ آیندہ حاکم مُل چندر کو قرار دیا جائے۔ لیکن نمک حلال وزیر مُل چندر نے اس بات کو منظور نہ کیا، اور اپنی خوشی سے سمت ۱۱۶۲ میں جے سنگھ کے بیٹے راجہ پرمآنو کو تختِ حکومت پر بٹھایا۔ جس سے خاص و عام کے دلوں میں مُل چندر کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ گئی۔ پانچ سال کے بعد سمت ۱۱۶۷ میں مُل چندر وزیر اعظم نے انتقال کیا۔ اور ایک لاکھ اسّی ہزار اشرفیاں اور چار سَو من سونا میراث میں چھوڑ گیا۔

کھکہ چندر راجہ او بیتا دیو مشہور فرماں روائے کشمیر کے شاہی خاندان سے چوتھے شخص راجہ راج دیو کی حکومت کا دَور دورہ تھا۔ کہ مُل چندر وزیر کے بیٹے کھکہ چندر کا نصیب جاگا۔ اور وزارت کے عہدے پر مامور ہوا۔ جس نے اپنے مفوضہ فرائض بکمال شوق و خوش اسلوبی انجام دیئے، اور راجہ راج دیو کے ملکی معاملات میں دل و جان سے امداد دی۔ جس کے صلہ میں ترقی اور نیکنامی حاصل کی۔ اور اپنے باپ کا نام روشن کیا۔ لیکن فلک ناہنجار کو مُلکِ کشمیر کی بہتری منظور نہ تھی۔ چنانچہ نامور وزیر کھکہ چندر عالمِ شباب (سمت ۱۲۴۱) میں اِس دُنیائے فانی سے رحلت کر گیا۔

بلاد چندر راجہ راج دیو ابھی تختِ حکومت پر متمکن تھا، کہ کھکہ چندر کے نوجوان بیٹے بلاد چندر نے اپنے باپ کی جگہ سنبھالی۔ مگر اِس شاندار اور ذمہ دارانہ عہدے کی اہمیّت کو نہ سمجھا، اور اپنے فرائض قابلیت سے انجام نہ دے سکا۔ یہاں تک کہ اہلکاروں کو متکبرانہ اور خود سرانہ سلوک سے اپنا مخالف بنا لیا۔ چنانچہ اُنہوں نے راجہ راج دیو کو اس کے شکوہ و شکایات سے بدگمان کر دیا۔ پھر کیا تھا، راجہ و وزیر ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے۔ بلاد چندر نے حق نمک فراموش کر کے علمِ بغاوت بُلند کر دیا، اور سری نگر کے نصف حصّے پر قابض ہو گیا۔ محلہ بلدیمر کو جس میں سربفلک عمارات کے بڑے بڑے احاطے تھے، اپنا دار الحکومت قرار دیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد خود ہی اپنے کئے پر پشیمان ہو کر

راجہ کے قدموں پر آگرا۔ راج دیو نے مراحم خسروانہ سے اُسکا قصور معاف کر دیا۔
اور علاقہ لار کی جاگیرات کا قبضہ جو بغاوت کے زمانے میں سرکاری حفاظت میں لے
لیا گیا تھا، واپس کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد راجہ راج دیو کی وفات پر راجہ سنگرام دیو اپنے
باپ کی جگہ پر متمکن ہُوا، جس نے بلاد چندر کو سپہ سالاری کے عہدے پر سرفراز کیا۔
تقریباً دس سال ادائے فرائض کے بعد ۱۲۳۵ء میں وفات پائی۔

سنگرام چندر

راجہ سنگرام دیو چونکہ بڑا عالی دماغ فرماں روا تھا۔ اِس لئے اُس
نے بروئے انصاف و قدرشناسی بلاد چندر کے بیٹے سنگرام چندر
کو اپنے باپ کا جانشین بنایا، اور مناسب قدر و منزلت کی۔ مزید برآں راجہ لچھمن دیو
کو بھی سنگرام چندر کے مشورے کی ضرورت رہی۔ تمام کارروائی اسی کی ذمہ داری پر
انجام پاتی تھی۔ جو کہ سہم دیو راجہ لچھمن دیو کے بیٹے کو سخت ناگوار گذری۔ اُس نے
راجہ اور وزیر کے مابین سخت ناچاقی پیدا کر دی۔ نتیجہ یہ ہُوا، کہ سنگرام چندر اپنی
جاگیر مقام لار میں جا کر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ راجہ لچھمن دیو پر حملہ آور ہوا۔ مگر
مقابلہ میں ناکام رہا، اور قتل ہو گیا۔

رام چندر

رام چندر سنگرام چندر کا بیٹا تھا۔ مگر نہایت مدبّر، ہوشیار، اور
موقعہ شناس واقع ہُوا تھا۔ اُس نے باپ کے تنازعہ کو طول دینا
اور پُرانے جھگڑے کو تازہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ فوراً راجہ لچھمن دیو کے دربار میں آیا۔
اور متابعت کا اظہار کیا۔ راجہ نے مسرور ہو کر باپ کا عہدہ اُسکے سپُرد کر دیا۔
لچھمن دیو کی وفات پر سہم دیو تخت پر بیٹھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جبکہ تبتی شاہزادہ
ریخچن شاہ نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد چچا کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر کشمیر میں پناہ
لی۔ اس نے وزیر الملک رام چندر کے سایۂ عاطفت میں قدر و منزلت حاصل کی۔
علاوہ اس کے شاہمیر نام ایک درویش کلاہ تتری دار بھی کشمیر میں آیا، اور رام چندر
کی نوازشات و عنایات سے مراتبِ اعلیٰ تک پہنچا۔ انہی دنوں میں پھر چنگیز خاں کے
پڑپوتے ذوالجو خاں نے جس کو اہلِ کشمیر ذوالقدر خاں یا ذوالفقار خاں کے نام سے
پکارتے تھے۔ قتل و غارت گری کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ ان دنوں سرزمین ہُدا پر شیومت،
بُدھ مت، جین مت اور دیگر مذہب پرست دیوانوں نے فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا۔

ایسے خطرناک زمانے میں جو لوگ تلوار کی زد سے بچے، پہاڑی دروں اور غاروں میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ راجہ سہم دیو کشتواڑ کی سرزمین میں جا پہنچا، اور وہاں اپنی جان بچائی۔ تبتی شاہزادہ رینچن شاہ بھی اُسی کے پاس رہا۔ وزیر رامچندر قلعہ لار میں اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتا رہا۔ تھوڑی مدّت کے بعد جب ترکستانی ظلم وستم کا خاتمہ ہوا، تو سب سے پہلے وزیر رام چندر باہر آیا، اور اُس نے اپنی طاقت وجمعیت کے بھروسے پر حکومت کا ڈنکا بجایا۔ اور کچھ عرصہ تک کشمیر کا بادشاہ رہا۔ رینچن شاہ کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ تو ایک جمعیّت فراہم کر کے رام چندر پر حملہ آور ہوا۔ چنانچہ رام چندر کو فریب سے قتل کر دیا۔ قلعہ گھنگنہ گیر اور حلقہ لار میں جس قدر مال و متاع تھا، لوٹ لیا۔ اور رام چندر کی ایک حسین بیٹی کوٹہ رانی سے شادی کر لی۔ یہ عورت بہت دانا اور مدبّر تھی، جو اپنے شوہر کو امور مملکت میں مفید مشورے دیتی رہی۔ رینچن شاہ کشمیر کا پہلا مسلم بادشاہ تھا۔ جو ملک صدرالدین کے نام سے حکومت کرتا رہا۔

راون چندر ۷۲۵ھ سے پیشتر سرزمین کشمیر میں دین اسلام اور توحید الٰہی کا نام و نشان نہ تھا۔ سب سے پہلے جو سچّا مسلمان یہاں آیا، وہ سیّد عبدالرحمان قلندر یعنی سیّد بلبل شاہؒ تھے۔ سیّد عبدالرحمٰن قلندرؒ کی روحانی توجہات اور مساعی جمیلہ کی بدولت نہ صرف کثیر التعداد عوام کو بلکہ خاص خاص اہل دربار، رینچن شاہ، اور وزیر الملک راون چندر کو بھی دین اسلام سے مشرف و ممتاز فرمایا۔

سب سے پہلے مسلمان بادشاہ ملک صدرالدین رینچن شاہ نے کوٹہ رانی کی بہت دلجوئی کی، اور اُس کے بھائی راون چندر کو رام چندر کی جاگیرات عطا کر دیں۔ بلکہ ملکِ تبت کا وہ حصّہ جو کشمیر کے ماتحت تھا، راون چندر کو دے دیا۔

دولت رینہ شاہمیری خاندان کے تیسرے چوتھے بادشاہ سلطان شہاب الدّین اور سلطان قطب الدّین کے عہد حکومت میں دولت رینہ سپہ سالاری کا بڑا عہدہ لے کر سرکاری افواج کا نگران رہا۔

ابدال رینہ جہاں سلطان سکندر شاہ کے مدبّر و منتظم اہلکاروں کا تذکرہ کیا جاتا ہے، وہاں ابدال رینہ کا نام خصوصیّت سے لیا جاتا ہے۔

جس نے اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے شاہی فوج کی افسری حاصل کی تھی

ہلمت رینہ

سلطان زین العابدین بڈشاہ کا عہد حکومت تھا۔ جس نے ہلمت رینہ کو اپنی تمام افواج کا افسرِ اعلیٰ بنایا۔ بڈشاہی افواج کی تعداد ۵ لاکھ سوار و پیادہ سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ گورچیاں کے باغی سرکش طائفہ کی شورش اور غلبہ کو مٹانے میں ہلمت رینہ بڑی بہادری سے مصروف رہا۔ ہلمت رینہ کے بھائی کا نام احمدؐ رینہ تھا۔ وہ بھی مستعد، مدبّر اور مستقل مزاج آدمی تھا۔ سلطان بڈشاہ کو جب مدارالمہامی کے لئے قابل شخص کے انتخاب کی ضرورت ہوئی، تو اہلکاروں اور درباری لوگوں نے احمد رینہ ہی کا نام پیش کیا۔ اور اُسے مدارالمہام کے منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا۔

جہانگیر رینہ

بڈشاہ کے بعد سلطان حسن شاہ تخت پر بیٹھا، یہ مشہور عیاش اور آزاد بادشاہ تھا۔ مدّت تک حکومت کرتا رہا۔ اِنہی دنوں میں شہر باشوں نے جہانگیر رینہ کو جو احمدؐ رینہ کا بیٹا تھا، اپنا مقتدر رئیس بنایا۔ جو کہ مقتدر اہل اعتبار کے زمرہ میں منسلک رہا۔ مگر حسن شاہ کے حاشیہ نشین بیہقی سادات کے فسادات میں جبکہ ۸۸۹ھ میں اُن کے اعیان و اکابر کا ایک گروہِ عظیم قتل ہُوا، جہانگیر رینہ کی جان بھی سلامت نہ رہی۔

قابلِ تذکرہ بات یہ ہے، کہ جہانگیر رینہ کی ایک لڑکی بھی تھی۔ جس کا نام ہیجہ بی بی تھا۔ یہ عورت ابتدا سے ذکر فکر، مراقبہ اور روحانی اشغال میں یکتائے روزگار تھی۔ اور حضرتِ سلطان العارفین کے دُرِ دولت سے فیضیاب ہوئی تھی۔

زینی رینہ

۸۸۹ھ میں جبکہ زینی رینہ کے باپ جہانگیر رینہ کے بیدردی سے قتل کئے جانے کی خبر مشہور ہوئی، تو رینہ خاندان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اور اُس کی جمعیّت، معیشت، اعتبار اور اقتدار کا شیرازہ درہم و برہم ہو گیا۔ ہر طرف لُوٹ مار اور خونریزی کا بازار گرم تھا۔ زینی رینہ اُس وقت کم سن تھا، اور بحالتِ یتیمی اپنے قدیم وطن کو چھوڑنے پر مجبور ہُوا۔ اور موضع تیجر علاقہ زینہ گیر میں جو قدیم خاندانی جاگیر میں محفوظ تھا، سکونت پذیر ہو گیا۔ صبر و تحمل، اور تدبر و حکمتِ عملی سے کام لے کر رفتہ رفتہ اپنی خوشحالی کا سامان پیدا کیا۔ جب

ہوش سنبھالا، تو شیخ الاسلام بابا اسماعیل کبروی کی درگاہ میں حاضر ہو کر عقیدت وارادت کا اظہار کیا۔

بابا عثمان رینہ رینہ خاندان میں بابا عثمان رینہ ہی کو یہ فخر حاصل ہُوا ہے، کہ حضرت مخدوم جیسے محبوب خدا کے والد ماجد ہیں۔ اور بابا اسماعیل زاہد کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ جن سے فیضان معرفت و حقیقت حاصل کرتے رہے۔ موضع تیجر پرگنہ زینہ گیر میں سکونت اختیار کر کے دُنیاوی مال ومنال، غلّہ ومویشی، اور زمین کی ملکیت حاصل کی۔ کثیر التعداد نوکر اور خدمتگار تھے۔ مگر گھر کا تمام کام کاج، بلکہ زراعت، زمینداری، اور مال مواشی کی نگرانی بھی خود ہی کیا کرتے تھے، آرام طلبی، اور راحت و آسائش کی پروانہ کرتے تھے۔ شرعی حقوق، زکوٰۃ، صدقات، اور عُشر کا حساب لگا کر ادا کرنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ دولت ملک باشندۂ تیجر کی بہن بی بی مریم سے رشتۂ عقد قائم کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں خداشناس اور نیک مردوں کا ایک گروہ اُن کے ساتھ ہو گیا۔ چنانچہ حضور بابا داوُد خاکی نے دستور السالکین میں آپ کے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے:۔

"وے مردِ متمول متدین خوانده اند، مسائل شرعیه وابیات مجمل میخواند۔ خوش صحبت بُود، ہم صحبتِ ایشاں پرہیزگار صائم الدہر وقائم اللیل بادب آراستہ اند۔ یکے از علاماتِ دینداری وخداترسی او ایں بود، کہ ہر سال باسم زکوٰۃ عشر حبوب مواشی وسائر اموال خود بلاحظۂ نصاب وبے ملاحظہ مقدار وحبوب کہ در بعض اوقات کم از عشر بود، ادا میکردند۔ واگر ایشاں بخانقاہ بابا اسماعیل رسیده نسبت اخلاص واعتقاد باوے وارنده اند۔ واقارب وغائر ایشاں نیز صالح ومتورع خوانده اند واثر صحبت بابا عثمان از ایشاں نمایاں۔"

بابا عثمان کی وفات حضرت مخدوم کے ایّام جوانی میں واقع ہُوئی۔ موضع تیجر میں دفن کئے گئے۔ جہاں کہ آجکل کے زمانے میں دیہاتی لوگوں کا عام قبرستان ہے۔ کشمیری صالحات کی کتاب میں حضرت مخدوم کی والدہ ماجدہ کا تذکرہ مذکور ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ وہ بھی نسل و نسب کے لحاظ سے ملک خاندان سے نسبت رکھتی تھیں، روحانیت اور خداشناسی کا جذبہ اُن میں بدرجہ اتم موجود تھا۔

باب سوم

پیدائش، تعلیم، اور ریاضت

حضرت محبوب العارفین مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ جناب بابا عثمان کے فرزند دلبند تھے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت سلطان العارفین کے ایک اور بھائی بھی تھے، جن کا نام بابا علی رینہ تھا۔ جن کا تذکرہ ملّا بہاءالدین متو کی مصنّفہ منظوم کتاب سلطانی سے نقل کرکے ہدیۂ ناظرین کیا جائیگا۔

تاریخِ ولادت حضرت مخدوم کی پیدائش کی خاص تاریخ اور مہینہ تو کسی مستند تصنیف سے نہیں مل سکا۔ البتہ مختلف تذکروں کے دیکھنے سے اس قدر ضرور معلوم ہوا ہے، کہ سلطان زین العابدین بڈشاہ کے خاندان کے تیسرے فرماں روا سلطان محمّد شاہ ابن احمّد شاہ ابن حیدر شاہ کی تخت نشینی کو ۸۹۶ھ میں تین برس گذرے تھے، کہ ۹۰۰ھ میں حضرت مخدوم پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت خاص مقام تیجر پرگنہ زینہ گیر میں ہوئی جس کو اب تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوچکا ہے۔ "حمزہ" یعنی شیر نام مبارک رکھا گیا۔ آپ مادرزاد ولی تھے، جیساکہ دستو السالکین مصنفہ بابا داوٗد خاکی میں مذکور ہے۔ بابا داوٗد خاکی چونکہ اُنہی کے زمانے میں، اور اُنہی کے خاص خلفا میں سے تھے، اس لئے اُنہوں نے جو کچھ لکھا ہے، صحیح اور قابل تسلیم ہے۔ اِس باب میں، کہ آپ مادرزاد ولی تھے، اور محبوبانہ تعلقات کا ابتدا سے لطف اُٹھاتے تھے، چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں:۔

ولادت کے بعد پانچ ہی دن گذرے تھے، کہ ایک روشنضمیر خدا کے پیارے

نے ایک خاص واقعہ دیکھا۔ کہ نبی کریم صلعم، صحابۂ کرام اور بزرگان دین کی ایک بڑی محفل آراستہ تھی۔ اور ایک نوزاد بچے کو جو اُن کے پاس تھا، بڑی محبت سے پیار کرتے اور اسکی پیشانی کو بوسہ دیتے تھے، اور اس کی خیر و برکت کی دعا کرتے تھے۔ واقعہ بین شخص نے یہ محبوبانہ اختصاص دیکھکر سامنے آکر عرض کیا، کہ یہ نوزاد بیٹا کس کا ہے۔ جواب ملا، کہ یہ بیٹا بظاہر بابا عثمان کا ہے۔ مگر باطنی لحاظ سے ہمارا فرزند ہے۔ اُمید کی جاتی ہے، کہ اس کے مبارک سعادت مند وجود کی بدولت ایک عالم منور ہو گا۔

ملا بہار الدین ستو اور ایک دوسرے بزرگ نے نظم کے پیرائے میں یہ واقعہ نہایت وضاحت سے لکھا ہے۔ کہ

"جب حضرت مخدوم دودھ پیتے تھے، تو آپ کی والدہ ماجدہ بی بی مریم کے دودھ میں کچھ کمی واقع ہو گئی۔ مجبور ہو کر دوسرے گاؤں سے دُودھ پلانے والی عورت کو بلایا گیا۔ مگر آپ نے دو ہفتہ تک اس اجنبی عورت کے دودھ کو مُنہ نہ لگایا۔ والدین اور عزیز و اقارب نہایت متفکر ہوئے۔ اور سب حیران تھے، کہ یہ بچہ دودھ کے بغیر کب تک زندہ رہے گا۔ اسکو دُودھ پلانے کی بہت کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ لیکن آپ کی نشو و نما اور صحت میں کوئی فرق نہ آیا۔ دریافت کرنے پر وجہ معلوم ہوئی۔ کہ یہ اجنبی عورت چار مہینہ کی ایک لڑکی کو چھوڑ کر اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر آئی تھی۔"

عالم طفولیّت

حضرت مخدوم کا بچپن ہی میں ایک دُور اُفتادہ قریہ کے اندر جاہل دیہاتی باشندوں میں رہنا، اور پرورش پا کر دینی و دنیوی، رُوحانی و عرفانی کمالات کا مظہر ہونا، خداوند تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ایک زبردست نشان تھا۔ ایسی کس مپرسی اور بے بسی کی حالت میں اُن کی نسبت کس کو خیال ہو سکتا تھا، کہ معصوم ہستی دین و دُنیا میں مایۂ ناز ثابت ہو گی۔ جس کے سامنے بڑے بڑے سلاطین اور با اقتدار لوگوں کے سر تعظیم کے لئے خم ہونگے۔

جب ذرا ہوش سنبھالا، تو حسب دستور کچھ عرصہ تک بھیڑ بکریاں چرانے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ دراصل اِس گلہ بانی میں ایک عجیب رُوحانی حکمت تھی۔

چونکہ آپ کو خلقِ خدا کی نگہبانی کرنی تھی، اور گمراہوں اور سرکشوں کو ایک مرکزِ دینی پر لانا تھا، اِس لئے اِس کارِ عظیم کے انجام دینے سے پہلے آپ کو گلّہ بانی کی خدمت بھی انجام دینی پڑی۔ گلّہ بانی کرنا اور بھیڑیں چرانا۔ اس گلّہ بانی کی ایک تعلیم تھی، جو آپ کو آئندہ سپُرد ہونے والی تھی۔

لڑکپن کا زمانہ بے فکری، آزادی اور کھیل کُود کا زمانہ ہوتا ہے، لیکن اس وقت بھی آپ کو طفلانہ اشغال سے طبعی نفرت تھی۔ بلکہ خورد سالی میں آپ سے ایسی ایسی کرامتیں ظہور میں آئیں، جو اُن کا مادر زاد ولی اور محبوب خدا ہونا ظاہر کرتی تھیں۔ جن لوگوں کو خداوند تعالےٰ نے چشمِ بصیرت عطا کی تھی، وہ سمجھتے تھے، کہ زمانہ آئیگا، جبکہ ایک عالم آپ کے روحانی کمالات اور عرفانی جذبات سے سرسبز و منّور ہوگا۔

ذکر ہے، کہ ایک مرتبہ مہدی چوپان جو بابا عثمان کی بھیڑ بکریوں کا نگہبان تھا۔ مُردہ گوسفند کا سر کاٹ کر بابا عثمان کے پاس لایا۔ اور اسکو مذبوحہ ظاہر کر کے بابا عثمان کے سپُرد کر گیا۔ تاکہ لنگر خانہ کے کام آئے۔ اتنے میں حضرتِ مخدوم نے جو ابھی عالم طفولیت میں تھے، اور ساری روئیداد سے واقف تھے، مہدی چوپان کو خلوت میں اپنے پاس بُلایا، اور فرمایا، کہ یہ کیسی بیباکی اور دین فروشی ہے، کہ مومنوں کو مردار کھلایا جاتا ہے۔ بابا عثمان کے پاس جاؤ، کہ وہ اسے استعمال نہ کریں۔ چوپان شوخ زبانی سے بولا، کہ "اے لڑکے! تو حلال کو حرام کہکر کیوں جھوٹ بولتا ہے"۔ حضرت مخدوم نے تمام ماجرا سنا دیا، اور فرمایا۔ کہ "دروغبافی اور دغابازی سے کیا فائدہ!" مہدی شرمندہ ہوگیا، اور منت التجا کی، کہ "بابا عثمان تک اِس معاملہ کو نہ پہنچانا۔ ورنہ میری شامت آجائیگی۔ پھر حضرتِ مخدوم دیوانہ وار اِدھر اُدھر پھرتے رہے، اور گوبر کا ایک ٹکڑا لاکر جس دیگ میں بکری کا گوشت پک رہا تھا، ڈال دیا۔ فوراً سارا گوشت پھینک دیا، اور مہدی چوپان کو بابا عثمان کے عتاب سے بچا دیا۔

جو شخص حضرت مخدوم کے حالات زندگی سے واقف ہے، وہ اِس بات کو بآسانی باور کریگا۔ کہ آپ کی ذاتِ مبارک میں ابتدا سے دو وصف

تعلیم

تھے۔ اوّل یہ کہ وہ روحانی بزرگانِ دین اہلِ طریقت کے حضور میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے تھے، دوئیم صداقت شعاری اور راست گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ان کا ہر قول و فعل سچائی کا مظہر تھا۔ اُن کو جھوٹ سے خاص نفرت تھی۔

قریہ تیجر میں ایک مدرس موجود تھا، جو دیہاتی لڑکوں کو قرآن شریف کی تعلیم دیتا تھا۔ بابا عثمان رینہ نے مناسب سمجھا، کہ اس سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ چنانچہ اپنے خورد سال بیٹے کو قرآن کے درس کے لئے مدرس کے سپُرد کر دیا۔ ایک دن ہم سبق لڑکوں کی تحریک پر مدرسہ نہ گئے، اور کھیل کود میں معروف رہے۔ سبق وغیرہ سب کچھ بھول گیا۔ اتفاق سے بابا عثمان کا اُدھر سے گذر ہُوا۔ اور بیٹے سے مدرسے نہ جانے کا سبب پوچھا جس کا معقول جواب نہ ملا۔ بابا عثمان نے غصّہ میں آکر نہ صرف زبانی تنبیہ کی، بلکہ اس قدر زدوکوب کیا، کہ وہ عرصہ تک علیل رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا، کہ وہ صحت یاب ہو کر سری نگر چلے گئے۔ اور وہاں قرآن مجید فقہ اور دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کا عہد کر لیا۔ دو چار دن کے بعد زینی رینہ آپ کے دادا کو جو بابا اسماعیل زاہد کبروی کے مشہور خاندان کا ارادت مند تھا۔ اپنے پیرانِ طریقت کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہُوا۔ خوش نصیب پوتا بھی ساتھ تھا، جسے بابا اسماعیل کے حضور میں پیش کیا۔ بابا اسماعیل نے بڑی خوشی سے حضرت مخدوم کو فرزندوں کی طرح اپنی آغوش عاطفت میں لے لیا۔ اور فرمایا "ایں فرزند سعادت مند مقتدائے روزگار گردد۔"

سیّد علی ہمدانی اور بابا اسماعیل زاہد کے مشہور خاندانوں کے باہمی تعلقات کی کچھ کیفیت "گلزارِ ابرار" سے معلوم ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے، کہ حضرت بابا کے کبروی خاندان میں علم و فضل اور روحانیت کا جو کچھ سرمایہ تھا، وہ سیّد علی ہمدانی کے چشمۂ فیض سے پہنچا تھا۔ کوہ ماراں کے مشرقی و شمالی حدود میں ایک وسیع احاطہ میں سر بفلک خانقاہ تھی، جس کے سامنے کتب خانہ، لنگر خانہ اور اعلیٰ درس گاہ وغیرہ مفید ادارے قائم تھے۔ جو کہ حضرت بابا صاحب کے زندہ جاوید یادگار تھے۔ علمی درس گاہ میں، جس کو مدرسہ دار الشفا کہا جاتا تھا، تصوّف، سلوک، معارف کے علاوہ فقہ، حدیث، تفسیر، ادب و دینیات کی درسی کتب کی باقاعدہ تعلیم دی

جاتی تھی۔ باباؒ فتح اللہ خوشخواں، اخوندؒ ملا درویش، حافظ عربی فارسی اخوند ملاؒ لطف اللہ مدرّس بڑی توجہ سے درس دیتے تھے۔ صبح سے لے کر شام تک طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ خصوصاً بابا فتح اللہ کا درسِ قرآن شریف طالب علموں کیلئے ایک موثر سبق تھا۔ سالکانِ طریقت کے لئے مشعلِ ہدایت اور پیروانِ دین کے لئے چراغِ معرفت کا کام دیتا تھا۔ حضرت مخدوم نے بڑی محنت، شوق اور دلبستگی سے تعلیم حاصل کی۔ قرآن شریف نہ صرف سرسری طور پر، بلکہ بمعہ تجوید وقرأت ایک سال میں ختم کرلیا۔ کلام اللہ شریف سے فارغ ہوکر فقہ، حدیث، اور تفسیر کے درس کا شوق پیدا ہُوا۔ اخوند ملاؒ لطف اللہ کی پوُری ارادت مندی سے شاگردی کی۔ اور آپ کے حلقہ درس سے مستفید ہوتے رہے۔ ادب و دینیات میں آپ کو کامل عبور حاصل تھا۔ لکھنے کا مشغلہ زیادہ دیر تک جاری رکھا۔ فارسی و عربی نوشت وخواند میں آپ نے کافی دست گاہ پیدا کرلی۔

خانقاہ شمسی چک چک خاندان کے سارے نہیں، بلکہ کثیر التعداد افراد شیعہ مذہب کے متعصبانہ جذبات کے زیرِ اثر تھے۔ ملک شمس الدّین چک جس کو شمسی چک بھی کہتے ہیں۔ اِسی بارسوخ خاندان کا ایک مشہور شخص اہلِ سنت کے اعتدال پسند طریق پر بدستور ثابت قدم رہا۔ اور بابا اسمٰعیل زاہد کی ارادت مندی کے خوش اسلوب حلقہ میں آکر بڑی خصوصیت حاصل کی۔ چنانچہ بابا سلیمان کبروی اور سیّد محمدؐ بورستانی کے قبرستان کے پاس نالہ مار کے کنارے، جامع مسجد سے تھوڑے فاصلہ پر ایک عالی شان فلک نما خانقاہ تعمیر کی۔ اور اس کے اِرد گرد احاطہ میں نشستگاہیں اور محفوظ کمرے بنوائے۔ جن میں وردخوانوں اور سالکوں کے خاص خاص افراد مقیم رہتے تھے۔ چونکہ حضرتِ مخدوم بلحاظ عمر ابھی خورد سال تھے، خانقاہ شمسی چک میں قیام کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر علیحدہ کوئی خاص کمرہ نہ ملا۔ آپ ایک دوسرے آدمی کے ساتھ ایک ہی کمرے میں گذر اوقات کرتے رہے۔ وہ درویش سیرت آدمی آدھی رات کے بعد اُٹھ کر غسل کرتا، اور تہجد کی نماز میں سورہ کہف پڑھا کرتا تھا۔ حضرت مخدوم بھی اپنے ساتھی کے ساتھ اُٹھتے، غسل اور وضو کر کے نمازِ تہجد میں سورہ کہف پڑھتے تھے۔

دو تین روز کے بعد سورۂ کہف کو آپ نے ازبر کرلیا۔ اور شب بیداری کی مستقل عادت ہوگئی۔ بوجہ کم عمری کے کبھی نیند کا غلبہ ہوتا۔ تو فوراً غیبی آواز سے محسوس ومسموع ہوتا، کہ "خیز اے حمزہ! چیست خوابِ دراز"

غیبی تحریکات

ابتدائی عمر کا وہ زمانہ جو اپنے وقت کا بادشاہ کہلاتا ہے۔ وہ بھی آپ نے نیک اور بہترین مشاغل میں صرف کیا۔ اپنی ذاتی خواہش کے مطابق نہیں، بلکہ ہم عمر لڑکوں کی تحریک پر اگر کسی نامناسب طفلانہ حرکت کا ارادہ کیا، تو فوراً عالمِ غیب سے تنبیہ ہوتی۔

ایک دن کا ذکر ہے، کہ آپ اپنے ہم سبق چھوٹے بچوں کے ساتھ مل کر ان کی دیکھا دیکھی ایک منہدم پرانی مسجد پر پتھر مارنے لگے۔ فی الفور ایک عتاب آمیز غیبی آواز آئی۔ کہ "ایسی غیر مؤدب حرکت کیوں ہو رہی ہے۔ کیا یہ خدا کا گھر نہیں؟ ہر ایک مسجد کو خدا کا گھر جان کر اُسکی تعظیم کرنی چاہیئے۔ نہ کہ توہین"۔ اِس سے حضرت مخدوم بے حد متاثر ہوئے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو اور آپ کے چند ہم درسوں کو مدعو کیا۔ اور کھانا کھانے کے بعد میزبان نے بطور حق القدوم چند فلوس نذر کئے۔ آپ نے اس خیال سے کہ کاغذ، قلم، دوات، اور سیاہی کے کام آئیں گے، لے کر چلے آئے۔ راستہ میں ایک خندق تھی، اُس میں آپ گر پڑے۔ اور کیچڑ سے لت پت ہو کر خانقاہ میں واپس آئے، اِسی غم واندوہ میں بیٹھے تھے۔ کہ خلوت نشین متوکل اصحاب سے سنا، کہ ابھی ایک متمول شخص آیا تھا۔ جس نے ہر ایک خانہ نشین شخص کو ایک ایک طباق دیا۔ اور تین تین درم بھی بطور نذرانہ پیش کئے۔ حضرت مخدوم نے اپنے نفس کو سخت ملامت کی، اور نادم ہوئے۔ غائبانہ ایک نورانی آدمی نے کہا، کہ "خندق میں گرنے کا سبب فانی مالِ دنیا کی رغبت و محبت ہے۔ آیندہ کبھی ایسا نہ کرنا، لوگوں کے گھروں میں دعوت پر نہ جانا۔ کیونکہ مالِ دنیا کی حرص خدا کے راستے میں سخت رکاوٹ ہے"۔ یہ نصیحت ایسی کارگر ہوئی۔ پھر کبھی کسی غیر ضروری دعوت پر نہ گئے۔ اور مہینوں اپنی نشست گاہ میں اوراد و وظائف اور یادِ خدا میں مصروف رہے۔ ہاں! خدا کے خاص پیارے بندوں کے پاس بلا تکلف جاتے، اور اُنکے فیضانِ صحبت

سے مستفید ہوتے تھے۔ انہی دنوں میں انبیا اور اولیا، خواجہ خضر اور خصوصاً جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی نورانیت جلوہ گر ہوئی۔ فرماتے ہیں، کہ ایک دن نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد میں ایک سبز پوش سفید ریش بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ جب اُس نے مصافحے کے لئے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، تو ایک عجیب روحانی کیفیت طاری ہوئی۔ پھر اتفاقاً محلہ خندہ بون میں نہر کے کنارے سبزہ زار میں شرف ملاقات حاصل ہوا۔ جہاں اس نے مجھے بے شمار نصیحتیں کیں۔ میرا خیال ہے، کہ وہ حضرت خضر تھے۔ میں نے عرض کیا، کہ "اے رہبر طریقت! مجھے اذکار و اوراد کے لئے کچھ ارشاد فرمایئے۔ فرمایا، "جو کچھ تو کرتا ہے، اُس پر ثابت قدمی سے قائم رہ، اور تعلقات دُنیا و اہلِ دُنیا سے احتراز کر"۔ غرض وہ بزرگ نماز عصر پڑھ چکنے کے بعد نظروں سے غائب ہو گیا۔

حصولِ تعلیم دورانِ تعلیم میں حضرت مخدوم کی ذات والاصفات سے اکثر غیر معمولی باتیں جو کہ طالب علموں سے مختلف تھیں، ظہور میں آتی رہیں۔ درس گاہ میں اُن کے ہم جماعت طلبہ اور بعض اُستاد بھی اُن کی خداداد استعداد، قوتِ حافظہ اور برمحل بحث و مباحثہ دیکھکر کہا کرتے تھے، کہ کسی دن یہ سرزمین کشمیر کے بڑے عالموں میں شمار کئے جائینگے۔ بعض اوقات اُستاد کو یہ گمان ہوتا تھا، کہ آپ کسی اور اُستاد سے اسباق کو حل کر کے آتے ہیں۔ لیکن تحقیقات سے معلوم ہوا، کہ یہ علمِ لدُنّی کے فیضانِ خاص سے بہرہ اندوز ہیں۔ اور اُستاد کو یہ کہنا پڑا، کہ ایسا شاگرد اُستاد کو محقق بلکہ محقق تر بنا دے گا۔ بہرحال بیس برس کی طالب علمی کا نتیجہ یہ نکلا، کہ تجوید قرات کے وسیع معلومات کے علاوہ فقہ، حدیث اور تفسیر کے علمی نکات کی دریافت میں وہ ملکہ پیدا کیا، جس پر اُن کے اساتذہ اور معاصر حیران تھے۔ صحیحین، نزہتہ الارواح، کنز، ہدایہ، فقہ، مصباح، اور تنویر کے علمی مطالعہ سے مستفید ہوتے رہے۔

علمِ ظاہری کی تحصیل کے ساتھ خدا شناسی اور باطنی اسرار و رموز کی طرف متوجہ ہوئے۔ درد و وظائف، ذکر و فکر کا یہاں تک شوق تھا۔ کہ اوقات عزیز کے کثیر حصے دعائے حزب البحر، دُعائے سیفی مونس الاولیا کی پڑھتے تھے۔ ایک دم

بھی غفلت سے کام نہ لیتے تھے، ان کا مطالعہ قرآن شریف تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ تصوّف، سلوک، فقہ اور حدیث وغیرہ تمام نوع کی کتب زیرِ نظر رہتی تھیں، وہ جس کتاب کو لیتے ختم کئے بغیر نہ چھوڑتے۔

حقانیتِ اہلِ سنّت

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، کہ ابھی طالب علمی کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا، کہ آپ کی قلبی توجہ خدا کے پیارے بندوں کی خدمت میں حاضر ہونے اور اُن کی صحبت سے روحانی فیض حاصل کرنے کا خیال ہر وقت دامنگیر رہتا تھا۔ اِسی دَوران میں ایک شخص مُلّا یزید نامی یہاں آیا، اور اُس نے بڑے زور شور سے علم سیاسی کی تبلیغ کی۔ حتٰی کہ ایک بڑے گروہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ حضرت مخدوم بڑی تکلیف اُٹھا کر اُس کے پاس پہنچے، اور اس سے بات چیت کی۔ دَورانِ گفت وگو میں آپکو نصیحت کی، کہ فقہ حنفیہ کی بجائے امامی فقہ کی کتابوں مثلاً کتاب الاغوط وغیرہ پڑھکر اُس پر عمل کیا جائے، اور اپنی زندگی کا مشغلہ صرف وُہی مذہب رہے، جو شیعوں کا ہے۔ یہ باتیں اہلِ سنت کے لئے بے حد تکلیف دہ تھیں۔ جس طرف آپ نظر اُٹھا کر دیکھتے تھے شیعی تحریک کا زور دکھائی دیتا تھا۔ اِس سے اِس درجہ متاثر ہوئے، کہ صبح وشام تضرع و زاری اور بیقراری میں رہتے تھے۔ کھانا پینا بھی ترک کر دیا۔ چنانچہ کوہ ماران کی ایک پُرانی منہدم مسجد میں اقامت اختیار کی، اور حضور میں یہ عہد کیا۔ کہ جب تک مذہبی اختلافات کی حقیقت کا انکشاف نہ ہوگا، کھانے پینے کی کسی چیز کو مُنہ نہ لگائیں گے۔ شب و روز انکشاف حق کے طالب رہے۔ ابھی تین دن گذرے تھے، کہ اضطراب کی حالت سکون سے بدل گئی۔ اور کشفیہ مقامات کا نیا راز منکشف ہُوا۔ یعنی رسول مقبولؐ اور چہار یاران باصفا کی زیارت ہُوئی۔ اور انکے پند ونصائح سے بہرہ اندوز ہُوئے۔

سب سے پہلے خلیفہ اوّل نے نصیحت کی، کہ نجات ابدی وحیاتِ سرمدی کے حصول کیلئے چہار یار کی محبّت وعقیدت پر کاربند رہنا اور اہلِ سنت کی مذہبی تعلیم پر عمل کرنا ازبس ضروری ہے۔ جو لوگ اہلِ سنت کے عقاید کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، وہ ضلالت وگمراہی کے گڑھے میں گرے ہُوئے ہیں۔ ایسے خطرناک

لوگوں کی صحبت اور نشست و برخاست سے پرہیز کرنا چاہئیے۔ بعدہٗ دوسرے اور تیسرے خلیفہ نے بھی یکے بعد دیگرے ایسی ہی تقریر فرمائی۔ آخر حضرت خلیفہ چہارم کی نوبت آئی، وہ بھی دیر تک تقریر کرتے رہے۔ جس کا ماحصل یہ تھا، کہ اگرچہ ہم بظاہر چار وجود ہیں، مگر محبت قلبی و یک جہتی کے لحاظ سے سب ایک ہیں، اور ایک ہی چشمۂ فیض کے آب زلال سے شادکام ہیں۔ ضد، تقابل، اور تفرقہ کی بو تک ہمارے دل و دماغ سے دور ہے۔

مختصر یہ کہ، اس کشف نے ایسا معجزنما اثر ڈالا، کہ اس پُر آشوب زمانہ کی مفسدانہ تحریک آپ کے عقاید پر مطلق اثر انداز نہ ہوئی۔ بلکہ اپنے عقیدے پر زیادہ راسخ ہو گئے۔ اور آپ ہمہ تن امامی تحریک کے خلاف اور اہل سنت کی تعلیم کی اشاعت و تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔

بابِ چہارم

فیوضِ رُوحانی

کوئی وقت اور کوئی لمحہ ایسا نہ گذرتا تھا، کہ آپ اشغال و اعمال اور یادِ الٰہی سے غافل رہتے۔ اشاعتِ اسلام اور معارفِ ربانی کے نشر و تبلیغ کی ایک طرف فکر ہے، اور مجاہدہ نفس اور ریاضات شاقہ کا دوسری طرف انہماک۔ زمستان ہو یا تابستان آدھی رات کے وقت اُٹھ کر ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے۔ اور تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے، کہ سردی کی بیحد شدت تھی۔ ہلاکت انگیز ٹھنڈی ہوا چلتی تھی۔ کٹ کشو کے اثر سے دریاؤں اور نہروں کا پانی جم گیا تھا۔ باہر جانا اور ایسے پانی سے ہاتھ دھونا اپنی جان سے ہاتھ دھونا تصور کیا جاتا تھا۔ آپکی نفس کی خواہش نے ایک گرم حمام کی طرف توجہ دلائی۔ آپ دیر تک دروازہ کھٹکھٹاتے رہے، اور التجا کی، مگر حمام والے نے اس خیال سے دروازہ

نہ کھولا، کہ کہیں کوئی چور یا ڈاکو نہ ہو۔ آپ نے مایوس ہو کر نفس کو ملامت کی۔ اور اسی یخ بستہ پانی سے غسل کر کے نماز ادا کی۔ اور اپنے آپکو نفسانی راحت اور آرام و آسایش کی تحریکات سے بچایا۔

نورانی ہستی جہاں تک حضرت مخدوم کو بزرگانِ دین کی زیارت قبور اور بزرگان دین کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کا تعلق تھا، سید حسن بلادوری کی مشہور زیارت گاہ پر جو کہ محلہ راجوری کدل سے تھوڑے فاصلہ پر موجود ہے، روزانہ رات کے وقت جا کر دُعا و زیارت کیا کرتے تھے۔ جہاں ایک دفعہ نہیں، بلکہ متعدد مرتبہ ایک نورانی شخصیت کا پیکر موجود پایا، اور اُس سے پند و نصائح کا فیض اُٹھایا۔ خصوصاً زیارتِ قبور کے فوائد و فضائل کا مزید اشارہ پایا۔ مختصر یہ کہ نورانی ہستی کے کلمات کا کثیر حصہ اسرار الابرار میں لکھا گیا ہے۔ چنانچہ ایک فقرہ بطور اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"مقصد سعادت دارین سب کچھ زیارتِ قبور کی مداومت سے وابستہ رکھا گیا ہے"۔

جب یہ منور ہستی غائب ہوگئی، تو تحسین و آفرین اور مرحبا کی ہر طرف سے صدا آئی، کہ ایک مقدس ہستی سے استفادہ کیا۔ چنانچہ مُلّا محمدؐ درہ میری ایک مشہور قلندر سے ملاقات ہوئی۔ وہ بھی کہہ گیا، کہ "صحبتِ خویش با غیبہ داشتی"۔

رُوحانی تعلقات جس زمانے میں کہ حضرت مخدوم کو ظاہری مرشد کی توجہات و تحریکات سے نہ صرف باطنی شناخت بلکہ جسمانی ملاقات میں بھی بڑی کامیابی حاصل ہوئی، اس زمانہ میں آپ کی عمر ۲۲ برس سے زائد نہیں تھی۔ اس بات کی حقیقت اس امر سے معلوم ہو سکتی ہے، کہ سنہ ۹۲۲ھ میں مخدوم سید جمال الدین دہلوی بخاری آپ کے مرشد بزرگوار نے صرف آپکی تعلیم و تلقین کی خاطر کشمیر کا رُخ فرمایا۔ لیکن اس بات کا تمام تذکروں میں عام چرچا ہے، کہ روحانی تعلیمات و ربّانی برکات کی پوری شناخت آپکو حضرات انبیا و اولیا کی مقدس رُوحانیت سے حاصل ہوئی تھی۔ پھر ایسے پاک وجود کے صوفیانہ اشغال و اعمال اور اوراد و ظائف اور فضل و کمال کے کیا کہنے، جو کہ مقدس بزرگوں اور خصوصاً حضرت

رسولِ مقبولؐ کے زیرِ اثر تربیت پاتا تھا۔ البتہ صوفیانہ قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیعت خلافت اور ارشاد نامہ کی تحصیل و تکمیل کی خاطر ظاہری مرشد کی نسبت کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ جس کے لئے بصد اُمید منتظر تھے۔ کیونکہ حضرت نبی کریمؐ نے پیش از پیش آپ کو بشارت دیکر فرمایا تھا، کہ اب تمہارے قلق و اضطراب کے سکون کا زمانہ آگیا۔ تمہارے ہادی و مرشد سید جمال الدین بخاری عنقریب کشمیر آنے والے ہیں، وہ اپنے کمال روحانی سے تم کو درجہ شہود تک پہنچائینگے اور کامل طور پر تمہاری تلقین و تربیت کرینگے۔

مخدوم سیّد جمال الدّین

سیّد جمال الدین دہلوی کے حالات خزینۃ الاصفیا میں بوضاحت درج ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے، کہ آپ کا جدّی و آبائی نسب نامہ ۶ واسطوں سے مخدوم سیّد صدر الدّین محمدؐ غوث ابن مخدوم سید جلال الدین شریف اللہ مہر رُخ بخاری کے ساتھ ملتا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں سیّد جلال الدّین بخاری ابن سیّد احمد کبیر ابن مخدوم سیّد جلال الدین شریف اللہ مہر رُخ سے لے کر مخدوم سید جمال الدین دہلوی تک، پیران طریقت کے سلسلہ وار اسما یہ ہیں:۔ (۱) مخدوم سیّد حاجی عبدالوہاب بخاری دہلوی (۲) مخدوم سیّد حامد۔ (۳) مخدوم سیّد محمدؐ بخاری (۴) مخدوم سیّد محمود۔ مخدوم سیّد عبدالوہاب دہلوی ابھی بقید حیات تھے کہ مخدوم سید جمال الدین بخاری نے اپنے مخیر و محترم بھائی سے ارشاد نامہ حاصل کر کے اپنے مشہور پیران طریقت کے سجادہ کو از سرِ نو رونق دی۔ اور اپنی سیادت و نجابت اور ارجمندی کا سکّہ جمایا۔ پہلے اُوچہ (ملتان) میں مدت تک مقیم رہے۔ پھر آپ اور آپ کے بھائی مخدوم سیّد عبدالوہاب بخاری رخصت ہو کر دہلی سکونت پذیر ہوئے۔ بعد ازاں حرمین شریفین کو تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے، کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ دیکھا، کہ ایک عظیم الشان دربار منعقد ہے۔ حضرت سرورِ کائناتؐ بمعہ اصحاب کبار جلوہ افروز ہیں۔ حضور صدر الصدور تھے، اور آپ کے سامنے ایک ارجمند نوجوان حاضر تھا۔ جس کو آپ نہایت شفقت و محبت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ مخدوم سیّد جمال الدین نے متعجب ہو کر دریافت کیا۔ کہ یہ خوش نصیب نوجوان کون ہے؟ اور کس مقام کا باشندہ ہے؟ جواب میں ارشاد

ہُوا۔ کہ اس کا نام شیخ حمزہ ہے، اور کشمیر کا رہنے والا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریمؐ نے اسکی تعلیم و تربیت کی تکمیل آپ کو تفویض کی، اور فرمایا۔ کہ "فوراً کشمیر جانا اور اس نوجوان کو تعلیم روحانی سے بہرہ اندوز کرنا۔"

حضرت مخدوم سید جمال الدین یہ واقعہ دیکھکر فوراً ہندوستان واپس ہوئے۔ اور وہاں سے کشمیر آئے۔ اور موضع لولہ پورہ پرگنہ تشریف لائے۔ قاضی حیرت ساکن موضع لولہ پورہ کو ساتھ لے کر دیدہ میر کی خانقاہ میں جو کہ ملک احمد ایتو سابق مدار المہام کی تعمیر کردہ ہے، نزول اجلال فرمایا۔ اِدھر حضرت مخدوم کو پیر جمال الدین کی آمد کی متعدد مرتبہ باطنی طور سے اطلاع مل چکی تھی۔ اور یہ بھی تاکیدی اشارہ پایا، کہ کل ان کی درگاہ میں حاضر ہونا، اور بیعت کر کے رُوحانی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کرنا۔ کیونکہ ایسے طالبِ حق کو جو مرشد کامل کے انتساب کے بغیر تلاش مقصود کرے۔ خودرَو اور بلا پیوند درخت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ عالم اسباب کی قدرتی خصوصیات، اس امر کی شاہد ہیں، کہ خودرَو جنگلی درخت سے خوش ذائقہ ثمر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اگر ایسے درخت کو باغبان کی نگہداشت میں باضابطہ پیوند لگائے جائیں، تو خوب کثرت سے خوش ذائقہ پھل لائیگا۔ اِسی طرح حقیقت آگاہ بزرگانِ دین کے انتساب سے جو اصحاب فیضیاب ہوں گے، وہ بلاشبہ خلقِ خدا کے لئے زیادہ فیض اور برکت کا موجب ہوں گے۔ چنانچہ حضرت شیخ حمزہؒ یہ اشارہ پاتے ہی دوسرے روز ملک احمدؒ ایتو کی خانقاہ کے دروازے پر پہنچے۔ مخدوم سیّد جمال الدّین کے رُوئے مبارک پر نظر پڑتے ہی ایک نئی روح پیدا ہوگئی۔ دوسرے دن حاضر ہو کر جوتیوں میں بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ تو حضرت سیّد نے مشفقانہ نگاہ سے دیکھکر بُلایا، اور اپنے سامنے بٹھایا۔ پھر فرمایا، کہ مجھے تمہاری ریاضت، ذکر، فکر، مراقبہ، اخلاص، حق طلبی، غرض تمہارے تمام حالات کی مکاشفہ میں اطلاع مل چکی ہے۔ اب تجھے میرے ساتھ پیری و مریدی کی مضبوط نسبت کی وجہ سے پدری و فرزندی کا خاص تعلق پیدا ہوگیا ہے۔ استقامت سے حصولِ مقصد کے لئے کوشاں رہو۔ ابھی حضرت مخدوم جناب سیّد کی مجلس میں تشریف نہیں لائے تھے۔ کہ خواجہ عطار کنائی اُن کے ایک مخلص دوست نے بنظر مہماں نوازی حضرت سیّد کے حضور میں روٹیوں اور

گوشت کا ایک بڑا خوانچہ پیش کیا، جو کہ حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیا۔ اور کچھ حصّہ اپنے پاس رکھ کر فرمایا۔ کہ "ایک معزز و محترم مہمان عنقریب آنے والا ہے"۔ اتنے میں حضرت مخدوم اندر آئے اور حلقے میں بیٹھ گئے۔ حضرت سیدؒ نے کھانے کا حصّہ سامنے رکھ دیا۔ اور فرمایا۔ کہ "یہ آپ کا خاص حصّہ ہے، تناول کیجئے"۔ حضرت مخدوم تناول کرنے میں اس لئے تامل کرتے رہے، کہ اتنی بڑی مجلس میں حاضرین کے سامنے کھانا معیوب اور خلاف ادب ہے"۔ حضرت سیدؒ نے چشم حقیقت بیں سے اُن کے تامل کی وجہ معلوم کر لی۔ اور فرمایا۔ کہ "حلقہ میں جتنے احباب موجود ہیں، سب اپنا اپنا حصّہ کھا چکے ہیں، یہ آپ کا خاص حصّہ ہے، بلا تامل نوش کیجئے"۔ حضرت مخدوم کے ارشاد پر عمل کر کے اپنا حصّہ کھا لیا۔ کھاتے ہی عالمِ قدس کے اسرار و رموز منکشف ہو گئے۔ چنانچہ حضرت سیدؒ نے اپنے سر مبارک سے طاقیہ اُٹھایا، اور آپ کے سر پر رکھ دیا۔ چند روز تک خلوت نشینی اور استخارہ کی نماز پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ خلوت نشینی کے آداب بجالاتے ہُوئے روحانی تحریک پر اور بیعت کا ہاتھ دے دیا۔ حبس نفس، چار ضرب، سلطان الاذکار کی کامل توجہ سے تعلیم و تلقین پا کر نفی و اثبات کی شناخت اور صفات الٰہی کی تجلیات میں گُم ہو گئے۔ اتفاقِ حسنہ سے سیر و سلوک کے سارے آداب تھوڑی مُدّت میں طے ہو گئے۔ شجرہ اور تحریری ارشاد نامہ مل گیا۔ اگرچہ مختلف سلاسل کی اجازت حاصل تھی۔ مگر سلسلہ سہروردیہ کی تعلیمات و ہدایات پر چلنا آپ نے پسند کیا۔ سرمایہ کشف و سلوک جو کچھ حضرت کے پیش نظر تھا، وہ آپ کے حوالے کر دیا۔ خلافت نامہ دے کر فرمایا:۔

"اگر طالبِ صادق پیش تو آید، اورا دستگیری کُن، و ایں ودیعت را باد برساں"۔

حضرت مخدوم نے نہایت انکسار سے اپنی ناقابلیت کا اظہار کیا۔ جس کے جواب میں آپ نے کہا۔ کہ "اگر میں تمہاری ذات میں مافوق استعداد اور اعلیٰ قابلیت کا سرمایہ نہ دیکھتا، تو خدا شناسی کے اسرار و انوار کی تعلیم اور ارشاد نامہ تم کو نہ دیتا۔ میں یقین کی آنکھوں سے دیکھتا ہُوں، کہ عنقریب دُنیا کے بزرگانِ دین اور حق آگاہ اولیا کے گروہ کے گروہ مخلصانہ عقیدت و ارادت سے تمہاری درگاہ پر

سیر و سلوک کے نکات اور اسرار و رموز سے آگاہی پائینگے۔ یہ کیفیت سچے عقیدت مندوں تک محدود نہ ہوگی، بلکہ غیر صادق حافرین کا بھی سارا حال تمہارے سامنے منکشوف ہوگا۔ مگر تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا مشغلہ کبھی فراموش نہ کرنا۔"

سوال کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت سیّد کی سرزمین کشمیر میں تشریف آوری کی وجہ کیا تھی۔ اس سوال کا جواب خواجہ محمد اعظم دیدہ میری نے صاف دیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ یہ سراپا برکت ہستی محض حضرت مخدوم کی تربیت کے لئے یہاں آئی تھی۔ جس کام کے لئے آپ آئے تھے، وہ عرصہ چھ ماہ قیام پذیر رہ کر خوش اسلوبی سے انجام دے گئے۔"

پیرانِ طریقت روحانی تعلقات کا کوئی شعبہ نہیں، جو کہ حضرت مخدوم کی مقدس ذات میں موجود نہ تھا۔ یہ بات اظہرمن الشمس ہے، کہ آپ حضرت مخدوم سیّد جمال الدّین بخاری دہلوی کی وساطت سے مخدوم جہانیاں سیّد جلال الدین بخاری اور جناب مخدوم العرفا شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی تک بحیثیت پیری و مریدی انتساب رکھتے تھے۔ پیر ملتان مخدوم بہاء الدین زکریا ابن شاہ وجیہہ الدین قریشی اسدی سے لے کر حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی تک، اور حضرت شیخ الشیوخ سے آگے جا کر حضرت رسول مقبولؐ تک سلسلہ وار پیران طریقت کے اسمائے گرامی جو کہ دستور السالکین اور پیران طریقت سے منقول ہیں، حسب ذیل ہیں:-

(۱) حضرت رسول مقبول سیّدنا و مولانا محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم (۲) حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضہ۔ (۳) خواجہ حسن بصری (۴) خواجہ حبیب راعی عجمی (۵) شیخ معروف کرخی۔ (۶) شیخ سری سقطی (۷) شیخ جنید بغدادی (۸) شیخ ممشاد دینوری (۹) شیخ احمد اسود دینوری (۱۰) شیخ عبد اللہ عمویہ (۱۱) شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر (۱۲) شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی (۱۳) مخدوم شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (۱۴) شیخ صدر الدین عارف (۱۵) ابوالفتح شاہ رکن الدین عالم (۱۶) مخدوم جہانیان سیّد جلال الدین بخاری (۱۷) مخدوم سیّد ناصر الدین بخاری (۱۸) سیّد مخدوم حامد کبیر نوبہار صاحبِ دستار (۱۹) مخدوم سید شاہ ابوالفتح رکن الدین (۲۰) مخدوم سیّد شاہ محمود ابوالقاسم (۲۱) مخدوم سیّد محمد (۲۲) مخدوم سید حامد صغیر (۲۳) مخدوم سیّد عبدالوہاب دہلوی (۲۴) مخدوم سید جمال الدین بخاری دہلوی (۲۵) حضرت مخدومی مدظلہ العالی

باب پنجم

تبلیغ و ریاضت

ہر دلعزیز و مشہور فرماں روائے کشمیر کی وفات کے بعد جبکہ یہاں اسلامی حکومت آفتابِ لبِ بام ہو رہی تھی، تمام ملک حوادث و شدائد کا آماجگاہ بنا ہُوا تھا۔ ایک طرف حسن شاہ اور محمدؐ شاہ فتح شاہ کی غیر معتدل آزادی و خانہ جنگی، اور دوسری طرف اہلِ دربار بیہقی سادات کی مفسدانہ سازش اور امامیوں کے مذہبی تعصبات کی یورش تھی۔ انہی دنوں میں مخدوم سیّد جمال الدین بخاری سرزمین کشمیر میں رونق افروز تھے۔ اور اپنے روحانی فیض و برکات سے اُن اثرات کا ازالہ فرما رہے تھے، جو اُس وقت کشمیر میں بروئے کار تھے۔

حضرت مخدوم نے نہایت موثر الفاظ میں اپنی خدمت گذاری اور عقیدتمندی کا عریضہ پیش خدمت کیا۔ آپ نے جواب میں ارشاد کیا، کہ "سیر و سیاحت، اور صحرا نوردی کوئی ایسا بڑا کام نہیں۔ اپنا دستور العمل یہ بنانا چاہیئے، کہ یہاں بیٹھے ہی اہل عالم کو مستفید کیا جائے جس کا اثر خلوت و جلوت پر پڑے گا۔ ساتھ ہی ہر جگہ اور ہر حال میں ہم آپ کے نگران رہیں گے، اور آپ کی امداد کریں گے۔ ہم لوگوں کی فطرت میں داخل ہے۔ کہ جو شخص ہمارے ساتھ رابطۂ محبت و رشتۂ ارادت رکھتا ہے، ہم اُسے فیض و برکات کی دولت سے متمتع کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرتے۔ ؎ دستِ پیراز غائباں کوتاہ نیست

دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

مخدوم منڈو مانڈکدل اور کلاسپورہ کے درمیان ہالہ مار کے کنارے پر مخدوم منڈو ایک آباد محلہ ہے۔ جہاں ایک مشہور نشستگاہ کا احاطہ پایا جاتا ہے۔ نشستگاہ کے اندر جو آجکل ایک نشستگاہ کی حیثیت رکھتی ہے، حضرت مخدوم نے مدت تک سکونت اختیار کی۔ اور خلوت میں بیٹھ کر

مصروف عبادت رہے۔ علاوہ ازیں ارشاد وہدایت کی مسند پر جلوہ افروز ہوکر تشنگانِ معرفت کو سیراب کیا کرتے تھے۔ عوام الناس تو کیا بڑے بڑے عالم و فاضل حاضر خدمت ہوتے، اور وعظ و کلام اور رشد وہدایت سے مستفید ہوتے۔ چنانچہ مخدوم منڈو کے سامنے ایک ہموار و وسیع مزروعہ زمین جس کو بابا دہب کہتے ہیں، ایک مخلص عقیدت مند نے بطور نذر پیش کرکے آپ کی ملکیت میں دیدی، جس کی پیداوار کی آمدنی پر آپ گذر اوقات فرماتے رہے۔

چونکہ حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری نے سیر و سیاحت کرتے ہوئے یہاں پہنچ کر کوہ ماراں کے جنوبی گوشے میں مدت تک قیام فرمایا تھا۔ اِس لئے حضرت مخدوم نے بھی وہی جگہ اپنی خاص نشست کے لئے منتخب فرمائی۔ جہاں رونق افروز ہوتے روحانی تجلیات کا دریا بہاتے۔ وہاں ذاکر مسجد بھی بنائی گئی۔ مگر عموماً آپ کی پسندیدہ سکونت مخدوم منڈو کی نشستگاہ ہی رہی۔

سید احمدؒ کرمانی سید محمود کرمانی کے خلف الصدق پیر سید احمدؒ کرمانی کے حالات مدِنظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ آپ سہروردیہ خانوادہ سے حضرت مخدوم کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ میاں سید جلال الدین اور سید تاج الدین بخاری کی وساطت سے انتساب کا تعلق رکھتے تھے۔ کرمان سے ہندوستان تک اور ہندوستان سے سرزمین کشمیر تک آپ اُس وقت پہنچے، جبکہ حضرت مخدوم نے مخدوم منڈو کی خاص عبادت گاہ میں خلوت نشین ہوکر ذکر و فکر، صیام و قیام اور گریہ وزاری میں مصروف تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کی جسمانی و دماغی قوتیں بیحد کمزور اور نحیف ہوگئیں، اور سر کے شدید درد سے علیل ہوگئے۔ آخر آٹھ برس کا عرصہ گذرنے کے بعد یہ عقدۂ دشوار سید احمدؒ کرمانی کی زبردست فوری توجہ سے حل ہوگیا۔ وہ حضرت مخدوم کی خاص نشستگاہ میں تشریف فرما ہوئے۔ بڑے ذوق و شوق سے تبادلۂ خیالات کرتے رہے، دورانِ گفت وگو میں حضرت مخدوم نے اپنی خلوت نشینی، اور سوز و گداز کی تمام سرگذشت نہایت موثر اور شیریں لہجہ میں بیان کی۔ سید احمدؒ کرمانی نے تمام داستان سن کر تحسین و آفرین کی صدا بلند کی۔ اور فرمایا۔ کہ آپ کو گوشۂ عزلت سے نکل کر بارونق دیہات، سرسبز باغات، شاداب وادیوں،

اور دشت و بیابان کی سیر و سیاحت کرنی چاہئے، کیونکہ قلبی اضطراب اور جسمانی عوارض کو دُور کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ اور جنگلات میں پھرنے کے سوا اسکا کوئی علاج نہیں مقدس بزرگوں اور خدا رسیدہ ہستیوں کی صحبت سے استفادہ کیجئے"
حضرت مخدوم نے ان نصیحت آمیز کلمات کو ہر وقت پیش نظر رکھا، اور ان پر عمل فرمایا۔ جس سے آپ کی مضطربانہ حالت میں بڑی تبدیلی واقع ہو گئی۔ اور روحانی لحاظ سے بڑی ترقی ہونے لگی۔ دراصل سید احمد کرمانی کی برکات میں سے یہ ایک بڑی برکت تھی، کہ حضرت مخدوم نے اپنی مختصر و محدود نشستگاہ سے باہر قدم رکھا۔ مراج کا مراج کے دیہات، مضافات اور قابلِ دید منفصلات میں پیری مریدی کا دَورہ کر کے نہ صرف اپنی جسمانی صحت کی حفاظت کی، بلکہ معتدل صوفیانہ پالیسی سے کام لے کر سنی مذہب کی باضابطہ تبلیغ کر کے فیوض روحانی کی تعلیمات کا سکّہ ہر خاص و عام کے دل پر بٹھایا، اور شہر و دیہات کے باشندوں کو اپنے موثر وعظ و کلام سے مستفید فرمایا۔ جہاں جاتے، پہلے مسجد و خانقاہ میں غسل خانے بنواتے، اور وعظ و کلام کی مجالس کو گرم کرتے تھے۔ مجالس و محافل میں لوگوں کو خالص توحید پرستی کے صحیح اصول بیان کر کے لوگوں کو حق و صداقت کی سیدھی راہ دکھاتے۔

چار ضرب

حضرت بابا شیخ داؤد خاکی نے مندرجہ ذیل اشعار کی شرح فرمائی ہے:۔

مغز سرانہ آتشِ گرمئ ذکرِ چار ضرب،
سوختنش زاں مبتلا اکثر بدردِ سر شد است
ارست سلطاں تاجِ ذکرِ پاس انفاسش شدہ
چار ضربش، چار ترک و ہر نفس گوہر شد است

اور لکھا ہے، کہ ایک دو دفعہ نہیں، بلکہ اکثر اوقات آپ شدید دردِ سر سے سخت علیل ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ علالت اضطراب کی حالت پیدا کرتی تھی۔ اطبّا علاج معالجہ کرتے تھے۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا۔ آخر اسکی علت معلوم ہوئی، تو آپ نے فرمایا۔ کہ ایّام شباب میں جبکہ سیر و سلوک کا جذبہ غالب تھا، چار ضرب کا ذکر اس کثرت سے کیا، اور دماغ پر ایسا اثر پڑا، کہ یہ بات میرے دل نشین ہو گئی، کہ اگر اسی

حال میں جان دے دوں، تو سعادتِ ابدی حاصل ہو جائیگی۔

حبسِ نفس صوفیانہ سیر و سلوک کے مشاغل میں حبس دم ایک خاص عمل کا نام ہے۔ جس کی مشق اس طرح کی جاتی ہے، کہ عشا کے وقت سے لے کر صبح کی نماز تک ایک ہی دم لیا جاسکتا ہے۔ ؎

نگہدار دم را کہ عالم دمے ست
دمے پیشِ دانا بہ از عالمے ست

حضرت مخدوم کو یہ مقام نہایت خصوصیت کے ساتھ حاصل ہوا تھا۔ اور یہ بھی کہتے تھے، کہ اگر فرض نمازوں کی ادائیگی لازمی نہ ہوتی، تو میں دن رات میں ایک ہی دم لیتا۔ مولانا خاکی کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔ ؎

درزشِ ذکر آں قدر دارد ز آغازِ عشا
تا زمانِ صبح در ذکرش بیکدم در شد است

مسجد نادی هل دیہات کی سیر و سیاحت کے دوران میں آپ کا موضع نادی ہل میں گذر ہوا۔ جہاں قدیم الایّام سے اہل ہنود نے ایک چشمہ اور بید کے موٹے درخت پر قبضہ کر کے وہاں بت خانہ بنالیا تھا۔ اور مالکانہ حیثیت سے ایسے قابض ہوئے تھے، کہ کوئی اَور آدمی وہاں جا نہیں سکتا تھا۔ اور جو جاتا آسیبِ جنات میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ حضرت مخدوم نے چند روز وہاں قیام فرمایا۔ اور اہلِ ہنود کا مذہبی قبضہ باطل کر دیا۔ اور چشمہ کے کنارے ایک عالیشان مسجد بنوائی۔ نہ وہاں بتوں کا نام رہا، اور نہ جنات کا نشان۔ مسجد کے سلسلہ میں مولانا خاکی نے چند تاریخی اشعار تحریر فرمائے ہیں، جو کہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔ ؎

مسجدے ساخت باخلاص بنا	حضرتِ حمزۂ شیخِ کشمیر
ہم دریں کار بخدمت بودہ	دوستِ مخلصِ مسکین و فقیر
گفت در تہنیتِ تاریخش	مسجد با برکت بادا بے پیر

مسجد اهام ۹۶۳ھ میں بنڈہ پور کے راستہ سے گذر کر موضع اہام کے بڑے درے میں آپ پہنچے، تو کیا دیکھتے ہیں، کہ چاروں

طرف جنات، شریر ارواح، اور شیطانوں کے خوفناک مقامات ہیں۔ اس خاص علاقہ میں آپ نے تین دن قیام کیا۔ اور اپنی قوتِ روحانی سے نہ صرف اس خطرہ کو دُور کیا۔ بلکہ سب شریر جنات کو اپنے حلقہ میں محصور کر لیا۔ وہاں بھی ایک مسجد بنائی۔ جس کی تاریخ تعمیر یہ ہے "کعبۂ ثانی مریداں"

مسجدِ تیجر موضع تیجر پرگنہ رینہ گیر میں اگرچہ پُرانے زمانے کی ایک مسجد موجود تھی۔ جس کا احاطہ نہایت معمولی، مختصر اور غیر مضبوط تھا۔ مگر حضرت مخدوم کی مساعیٔ جمیلہ سے بڑے پیمانہ پر اُسے از سرِ نو آباد کیا گیا۔

مساجدِ متبرکہ ذیل میں اُن چند متبرک مساجد کا ذکر کیا جاتا ہے، جو حضرت مخدوم نے اپنی سیر و سیاحت کے دوران میں تعمیر فرمائیں۔ نیز یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے، کہ کامراج و مراج کے علاقہ میں جب کسی مشہور یا غیر مشہور گاؤں میں جانے کا اتفاق ہوتا، اور پُرانی مسجد کی عمارت نظر پڑتی، تو دریافت کرنے پر جواب ملتا، کہ یہ پُرانی عبادت گاہ حضرت مخدوم کی آباد کردہ ہے۔ مساجد کی تفصیل معہ پتہ و مقام یہ ہے :۔

(۱) گنڈہ پورہ پرگنہ بھاسوں (۲) الوسہ (۳) گرورہ (۴) ونہ گام (۵) کرمیشور (۶) اوین۔

آپ نے مندروں اور بُت خانوں کو جبر سے منہدم کرنے کی زحمت نہیں فرمائی۔ اُنہوں نے اخلاص و محبّت اور روحانی اثرات سے توحید پرستی اور اخلاق محمّدی کا عملی صورت میں صحیح مسلک دکھایا۔ جس کا ہر مذہب و ملت کے پرستاروں پر معجز نما اثر ہُوا۔ عالمگیر مذہب اسلام کی اشاعت کی عظیم الشان خدمت بڑی عرقریزی سے انجام دی۔ ہزاروں غیر مسلم لوگوں کو راہِ راست پر لائے۔ جنہوں نے بطیبِ خاطر اپنے معبدوں اور مندروں کی جگہ مساجد اور اسلامی عبادت گاہیں تعمیر کیں۔ جیسا کہ مولانا خاکی نے فرمایا :۔ ؎

پیش ازیں در ہر طرف صد منظر بتخانہ بود
ایں دم از یُمن قدومش مسجد و منبر شد است

کشف القلوب کے صدہا واقعات ہم کو بتاتے ہیں، کہ حضرت مخدوم کو کشف القبور کے علاوہ کشف القلوب کا مقام بھی حاصل تھا۔ جس کا لازمی اثر یہ ہُوا، کہ حقیقت بین نگاہیں بدعتیوں، اور مشرکوں کو سؤر، کُتّوں اور ریچھوں کی شکل میں دیکھتے تھے، اور لوگوں کو علی صورت میں دکھاتے تھے۔

ایک دن کثیر التعداد احباب کی مجلس گرم تھی، کہ تین اجنبی آدمی آکر بیٹھ گئے۔ حضرت مخدوم نے دیکھتے ہی فرمایا۔ کہ "اینہا رافضیانند"۔ حالانکہ کسی قسم کی شناخت یا واقفیت نہیں تھی۔ مولانا خاکی بولے۔ کہ "یہ تو بظاہر سُنّی ہیں۔ رفض کی کوئی علامت پائی نہیں جاتی۔ اتنے میں حضرت مخدوم نے اپنا ہاتھ مولانا کے سر پر رکھا، اور فرمایا، کہ "حقیقت بین نگاہ سے دیکھ لیجیے"۔ چنانچہ اسی وقت تینوں کی صُورت متغیّر پائی۔

ہلاکتِ اعدا چک خاندان میں غازی خاں چک نے مذہبی تعصب سے کام لے کر جبر و استبداد کی روش اختیار کی۔ یہاں تک کہ حضرت مخدوم کو سری نگر سے نکال دیا۔ آپ نے پرگنہ بروہ کا راستہ لیا۔ ابھی موضع بروہ کے دیہات کی سیاحت میں مصروف تھے، کہ غازی خاں کو جذام کا عارضہ لاحق ہوگیا۔ طبیب علاج معالجہ سے مایوس ہوگئے، آخر اُس نے محسوس کیا، کہ یہ ساری مصیبت اس کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ فوراً اپنے بیٹے کو بھیجا، کہ حضرت مخدوم کی خدمت میں شہر میں واپس آنے اور صحت کی دُعا کرنے کی استدعا کرے۔ چنانچہ جب وہ حاضرِ خدمت ہُوا۔ تو حضرت مخدوم نے فرمایا، کہ "جب تک وہ شہر میں موجود ہے، ہم واپس نہیں جائیں گے۔ اور چونکہ اُس نے ہمیں ناحق تکلیف دی ہے۔ اس کی سزا ضروری ہے، اب ہاتھ سے چلے ہُوئے تیر کا واپس آنا ناممکن ہے۔ مناسب ہے، کہ اب تم واپس جاکر اپنے باپ سے ملاقات کرو"۔ ابھی اُس نے شہر میں قدم رکھا ہی تھا، کہ اپنے باپ کی وفات کی خبر سُنی۔ یہ خبر بجلی کی طرح تمام شہر میں پھیل گئی، اور حضرت مخدوم شہر میں واپس آگئے۔

تجلّی حمیت چند مرید خلفا کے ساتھ آپ بات چیت کرتے تھے۔ کہ ایک شخص حاضرِ خدمت ہُوا۔ اور گریہ و زاری سے اپنے خسر کی شکایت کی۔

اور کہا، کہ وہ ناحق میرے ساتھ بدسلوکی اور سختی کرتا ہے۔ چنانچہ حکومت کے اہلکاروں کے ساتھ مل کر مالی سزا دلانے کی کوشش کر رہا ہے، آپ دُعا فرمائیے۔ حضرت مخدوم نے جواب دیا۔ کہ مجھے حکومت کے اہلکاروں سے کوئی شناسائی نہیں۔ مگر دُعا کی جائیگی۔ تھوڑے وقفہ کے بعد اُس نے غضب ناک ہو کر حضرت مخدوم کے سامنے گستاخانہ الفاظ کہے۔ حضرت بھی خشمگین ہو گئے، اور فرمایا "من ہلاکت کنم"۔ آپ کے یہ الفاظ تیرِ قضا بن گئے۔ وہ شخص گھر پہنچا، رات کو سویا، اور صبح کو جیتے جی بستر سے نہ اُٹھا۔ مولانا خاکی اِس واقعہ کو یُوں بیان کرتے ہیں۔ ؎

گفت شخصے سُو بہنگام تجلّی میست،

"من ہلاکت می کنم" شب مردہ بر بستر شد است

کشف و کرامات

آجکل کے تعلیم یافتہ اور سائینس کے دلدادہ نوجوان، نئی روشنی کی تجلیات میں اس قدر محو ہو گئے، کہ اولیائے کرام کے کشف و کرامات کے قائل نہیں۔ حالانکہ اُنہیں وقتاً فوقتاً قدرت کے عجیب و غریب اور مافوق العادت مظاہر دیکھنے کا اکثر اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ وہ مسمریزم، تاثیرِ نگاہ، جذب النفس والقویٰ، اور تسخیر عناصر کے عملیات کا مشاہدہ کرتے ہیں، پھر معلوم نہیں، کہ وہ مقدس نفوس اور خدارسیدہ ہستیوں کے کشف و کرامات کے کیوں منکر ہیں۔ جب مقناطیس اور کہربا لوہے اور تنکے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، تو مقدس انسانی جذبات کی کشش و تاثیر سے انکار کیوں کیا جاتا ہے۔ یہ امر ناقابلِ تردید ہے، کہ جن بزرگانِ ملت اور حلقہ بگوشان اسلام کو خداوند تعالیٰ نے بادۂ عرفاں سے سرشار کیا ہے، اور جو تزکیہ نفس سے اپنے اعمال کو پاکیزہ و شایستہ بنا چکے ہیں، وہ تیر از کماں رفتہ کو واپس لا سکتے ہیں۔ ؎

اولیا را ہست قدرت از اِلٰہ،

تیرِ جستہ باز گردانند ز راہ!

اللہ تعالیٰ نے حضرت مخدوم کو وہ درجۂ اعلیٰ عطا کیا تھا، کہ آپ کی ہر بات اور ہر کام میں کشف و کرامت کی جھلک پائی جاتی تھی۔ آپ کی ذات سے ہزاروں کرامتیں ظہور پذیر ہوئیں، یہاں جن کے اندراج کی گنجایش نہیں۔ جن احباب

کو دیکھنا منظور ہو، وہ دستور السالکین ملاحظہ فرمائیں۔

باب ششم
ہمعصر حضرات

جس زمانہ کا ہم ذکر کرتے ہیں، اُس وقت نہ صرف حضرت مخدوم ارشاد وہدایت کی مسند پر جلوہ افروز تھے۔ بلکہ اور بھی بہت سے بزرگانِ دین علم وعرفان کے فیوض سے عوام کو مستفید کرتے تھے۔ چنانچہ ہم اُن بزرگان دین کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں، جو حضرت مخدوم کے زمانے میں گذرے ہیں، اور آپ سے رہ ورسم رکھتے تھے۔

(۱) سیّد احمدؒ[1] کرمانی۔ سیّد محمود کے تین بیٹے تھے۔ (۱) سید احمدؒ (۲) سیّد محمدؒ، اور سیّد حامد۔ سیّد احمدؒ کرمان سے نکل کر سیر وسیاحت اور صحرا نوردی میں مشغول ہو گئے۔ مختلف دیار وامصار سے ہوتے ہُوئے حرمین شریفین کی زیارت کی۔ وہاں سے ملتان آئے، جہاں مخدوم جہانیاں سیّد جلال الدین سے باطنی تعلیمات اور ربانی ہدایات کا فیض حاصل کیا۔ پھر کشمیر میں تشریف لائے، اُس وقت اہل خطّہ پر تعصب وبدعت کا غلبہ تھا۔ آپ نے محلہ نروره میں سکونت اختیار کی، اور سلطان نازک شاہ کو اپنا مطیع بنایا جس نے ایک بڑی خانقاہ بنوائی، اور لنگر خانہ کے اخراجات کے لئے غلّہ کے تین ہزار خروار کا عطیہ مقرر کیا۔ سیّد مسافر، بابا مسعود نروری اور درویش نعمت اللہ چچہ بلی آپ کے بہترین خلفا تھے۔ جو کہ اپنے پیر ومرشد کے نقشِ قدم پر قائم رہے۔

---

[1] آپ کا شجرہ نسب یہ ہے:۔ سیّد احمدؒ کرمانی ابن سیّد محمود ابن سیّد بہاءالدین ابن سیّد ابراہیم ابن سیّد اسماعیل ابن سید طہماسپ ابن سیّد شجاع، ابن سید ابراہیم ابن سیّد قاسم ابن سیّد حمزہ ابن سیّد ہارون ابن سیّد عقیل ابن عسکری ابن سیّدنا امام علی نقی رضؓ۔

(۲) میر میرک اندرابی - ہمارے پاس بابا داوٗد خاکی کی شرح قصیدہ لامی موجود ہے جس سے میر میرک اندرابی کے کافی حالات ملتے ہیں - آپ کے والد ماجد کا نام میر شمس الدین اندرابی تھا - میر محمدؒ افضل منطقی اونتی پوری کی صاحبزادی آپکی والدہ ماجدہ تھیں - آپ جناب رسول مقبولؐ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی روحانیت کے باطنی فیوض سے بہرہ اندوز تھے - سیّد حسین قمی رضوی کے خلف الصّدق سیّد عبداللہ رضوی قمی کی صاحبزادی سے شادی کی - جس سے تین بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں - کہتے ہیں، کہ ملارٹہ، رتن پورہ، لولاب، پوچھل، گیرو، کذویرہ وغیرہ کے باشندے اندرابی سادات سب کے سب سیّد محمدؒ، سیّد احمدؒ قاسم اور سیّد یوسف کی اولاد ہیں، جو کہ سیّد میر میرک کے بیٹے تھے - آپ کی پیدائش کی تاریخ "ذاکر" کے لفظ سے نکالی گئی ہے - "شیخ و سیّد" سے سنہ ۹۹۰ھ نکلتا ہے - جو کہ آپکی وفات کا سال تھا -

(۳) خواجہ طاہر رفیق عشائی - آپ خواجہ ابراہیم عشائی کے فرزند تھے - آپ بھی سہروردی تعلیمات کے دلدادہ تھے - اور مخدومی شیخ عبدالشکور نتھانی لاہوری کی وساطت سے مخدوم العرفا شیخ سید بہاء الدین زکریا ملتانی تک آپ کے پیرانِ طریقت کا سلسلہ پہنچتا ہے - والد ماجد خواجہ ابراہیم کے توسل سے شیخ عبدالشکور ملتانی سے روحانی تعلیمات اور عرفانی آداب حاصل کئے - حضرت مخدوم شیخ یعقوب صرفی، میر بابا والی، اور بابا ہردی النسی کے حلقہ میں شامل رہے - اور مختلف سلاسل کے فیوض و برکات سے نمایاں حصّہ لیا - یہاں تک کہ حضرت مخدوم فرماتے تھے، کہ "خواجہ طاہر بقال بود، سرمایہ در خزینۂ نگہداشت و من زمیندار بودم خرچ کردم"- خواجہ طاہر کا قول ہے - کہ "میں اور حضرت مخدوم دونوں بحصّہ مساوی خدمت کرتے رہے - مگر مجھے صرف خدمت کی مزدوری ملی، اور اُنہیں مزدوری کے علاوہ انعام بھی ملا" آپ یہ بھی کہتے تھے، کہ "درگاہ سے مجھے جو کچھ ملا، میں نے محفوظ رکھا - لیکن حضرت مخدوم نے جو کچھ پایا، اُسکی تجارت کی، اور اُسے بڑھایا -

چک خاندان کے متشدد عہد حکومت میں سری نگر سے نکل کر موضع لورہ گام، کولی، موضع میر، پرگنہ اوتری، موضع ساون، پرگنہ گوتھار اور قصبہ شاہ آباد کا

دَورہ کر کے صوفیانہ تعلیمات ، معلومات ، اور سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت میں پُوری دلچسپی و سرگرمی سے کام لیا ۔ اور پیری و مریدی کے ذرایع پیدا کئے ۔ ۹۶۰ھ میں اپنے دولت خانہ کے آس پاس محلہ فتح کدل میں ایک مسجد بنوائی ۔ جسے خانقاہ رفیقاں کہتے ہیں ۔ ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی ۔ اور اپنی خانقاہ کے سامنے سپردِ خاک ہُوئے ۔

(۴) مخدوم حاجی احمد قاری ۔ تحریری روایات سے پتہ چلتا ہے ، کہ آپ ۹۰۶ھ میں بمقام ملتان پیدا ہُوئے ۔ اپنے والد بزرگوار مخدوم عباس ملتانی سے جنہوں نے مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی ، مخدوم شیخ صدر الدین عارف اور مخدوم شاہ رکن الدین عالم اپنے بزرگان کرام سے رُوحانی فیض حاصل کیا تھا ، خداشناسی کے رموز و اسرار کی تعلیم پائی ۔ آپ کا ذوق و شوق اور طریق زندگی اپنے جدِّ بزرگوار مخدوم بہاء الدین کے مطابق رہا ۔ آپ قرآن خوانی اور قرأت و تجوید کے بڑے شائق تھے ۔ آپ کا سِن ابھی بائیس سال سے زائد نہیں تھا ، کہ بتاریخ ۲۴ ماہ شوال ۹۲۹ھ آپکے والدِ بزرگوار حاج الحرمین مخدوم شیخ عباس نے بمقام ستھیان (ضلع ملتان) میں انتقال کیا ۔ جس سے آپ کو سخت صدمہ ہُوا ۔ اور خاندان کو بہت نقصان پہنچا ۔ اور ملتان کی حکومت میں سخت ہل چل مچ گئی ۔ ہنگامہ آرائی نے ایسی خطرناک صورت اختیار کی ، کہ بہت سے باشندے اپنے قدیمی وطن کو خیرباد کہہ گئے ۔ حضرت حاجی بھی صحرا نوردی اور سیر و سیاحت کے لئے وہاں سے چل دیئے ۔ اور مکّہ معظمہ جا پہنچے ۔ زیارت حرمین سے فارغ ہوکر عربستان کی سیر کی ۔ پھر ہندوستان واپس تشریف لائے ، اور مختلف شہروں میں پھرتے اور بزرگان دین کی صحبت سے متمتع ہوتے لاہور آئے ۔ جہاں شیخ محمد روشن قاری قادری کے در دولت پر حاضر ہوکر باطنی فیوض و برکات اور علم قرأت مزید نکات کا استفادہ کیا ۔ انہی ایّام میں شیخ بابا داؤد خاکی ملتان کے مشہور بزرگان دین مخدوم بہاء الدین زکریا ، شیخ صدر الدین ، شاہ رکن الدین اور مخدوم جہانیاں سیّد جلال الدین بخاری کی زیارت سے واپس آکر لاہور میں مقیم تھے ۔ آپ حضرت حاجی سے ملے ۔ تبادلۂ خیالات سے متاثر ہوکر کشمیر آنے کی دعوت دی ۔ حضرت حاجی نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا ۔ چنانچہ آپ کشمیر تشریف لائے ۔

تومحلہ قطب الدین پورہ میں دریائے جہلم کے کنارے زینہ کدل کے پاس جہاں کہ نورالدین جہانگیر نے نورجہاں کے کہنے پر پتھر مسجد کا مضبوط اور وسیع احاطہ بنوایا تھا، آپ نے قیام کیا۔ قرآن مجید، قرأت وتجوید کے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ اطراف وجوانب کے طالبانِ علم آکر فیض حاصل کرتے۔ حضرت مخدوم اور ان کے مابین آمدورفت کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ آپس میں خوب رہ ورسم بڑھی۔ ایک بڑی مسجد بھی تعمیر کرائی، جس کو خانقاہِ قریشیاں کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم ابھی بقیدِ حیات تھے، کہ آپ نے بتاریخ ۸ ماہ رمضان ۹۶۹ھ رحلت فرمائی۔ تاریخِ وفات ہوئی۔ "توفی اعلم القراء۔"

باب ہفتم

سلسلۂ خلفاء

خدا جانے کس قدر لوگ حضرت مخدوم کے فیضِ صحبت سے کفر وشرک اور بدعت وضلالت سے نکل کر کامل مسلمان اور متقی بنے۔ کس قدر غافل اور بے خبر انسان اولیاء اللہ کے حلقہ میں شریک ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے، کہ آپ کے خلفا اور مریدوں کی تعداد ۱۲ لاکھ تھی۔ اور خلفا ایسے نیک، خدارسیدہ اور متبحر عالم تھے، جن سے بے شمار بندگانِ خدا فیض یاب ہوتے رہے۔ اُن کے مبارک نام ہر محفل میں تعظیم وتکریم سے لئے جاتے ہیں۔ اُن کی ذات والاصفات سے تصوف معرفت اور صوفیائے کرام کے نام کو خاص عزت حاصل ہے۔ ناظرین کرام کی آگاہی کے لئے چند خلفائے خاص کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۱) مطبوعہ وغیر مطبوعہ، معتبر اور غیر معتبر، بہت سی ایسی کتابیں نظروں سے گذریں، جن میں حضرت مخدوم کے کشفیہ حالات ومقامات کا کثیر حصہ درج ہے۔ اُن میں ہدایۃ المخلصین ایک پرانی قلمی کتاب بھی دیکھی، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے،

کہ وہ میر بابا حیدر کی تصنیف ہے۔ جس میں اُنہوں نے اپنی ساری سرگذشت بوضاحت قلمبند کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ

میر بابا حیدر ایّامِ شباب میں سیر و سیاحت کا خاص شوق رکھتے تھے۔ اُن کے دل میں معمولی تعلیم حاصل کرنے کے بعد خدا شناسی کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہُوئے، اُن کی اطاعت و متابعت سے برکات روحانی حاصل کیں۔ استغراق و عرفان اور سوز و گداز کی لذّت سے بہرہ اندوز ہُوئے۔ خاص خلفا کے دائرے میں آئے، اور ارشاد نامہ حاصل کیا۔ باباؔ علی رینہ، خواجہ باقر رادلو، خواجہ حسن قاری، شیخ موسیٰ بنہ بامی لاری آپ کے حلقۂ ارادت میں آ گئے۔ اور اُن سے فیوضِ روحانی حاصل کرتے رہے۔

ہدایۃ المخلصین میں آپ نے حضرت مخدوم کے حالات اس قدر محبّت اور عقیدت سے لکھے ہیں۔ کہ خواجہ محمدؐ اعظم دیدہ مری کو آپ کے تذکرے میں یہ فقرہ لکھنا پڑا۔ کہ "نسخہ ہا در احوالِ پیرانِ خود دارد، کہ بعض مردم آنرا محمول برکمالِ اعتقاد و اغراق و مبالغہ می دانند"

علاوہ اس کے اسرار الاخیار کے مشہور مصنف نے وجہ تصنیف و مقصد مصنف بیان کرکے لکھا ہے، کہ "بعض محققاں می گویند، کہ نسخہ مذکورہ از کلام ایشان نیست"

(۲) خواجہ ضیاء الدّین محمدؐ۔ خاندان کے لحاظ سے آپ خواجگان بخارا سے تعلق رکھتے تھے۔ بخارا سے آئے، اور سلاطینِ کشمیر کے دربار میں شامل رہے۔ شاہی دربار میں اتنی قدر و منزلت حاصل کی۔ کہ ایک ہزار پانچسو کی جاگیر حاصل کی۔ آخر کار مسلم سلاطین کی خانہ جنگی اور اہلِ بدعت کی متعصبانہ تحریک کے باعث جاگیر اور شاہی تعلقات سے کنارہ کش ہوگئے۔ حضرت مخدوم کی خدمت گذاری کو موجبِ سعادت سمجھا، اور روحانیت کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔ شعر و سخن کا آپکو ابتدا ہی سے شوق تھا۔ جب ذرا فرصت ملتی، صوفیانہ نظمیں لکھکر طبع رسا کے جوہر دکھاتے۔

(۳) میر مبارک خاں بیہقی۔ یہ بات شاید کسی کو معلوم نہیں ہوگی، کہ بیہقی سادات کے پردادے کا نام سیّد محمد کاندھامی تھا۔ جو کہ موضع کاندھامہ میں اپنے باپ کی جگہ بودوماند رکھتے تھے۔ اور موضع باکیل کی جاگیر پر قابض و متصرف تھے۔ آپکی

صاحبزادی تہیقی بیگم سلطان زین العابدین بڈشاہ کی اہلیہ تھیں۔ آپ کے فرزند سیّد ناصر الدین کی دربار شاہی میں بڑی قدر و منزلت تھی۔ اور سیّد ناصر الدین کا بیٹا سیّد حسن شاہی خاندان سے اپنا تعلق مضبوط کر کے سلطان حسن شاہ اور سلطان محمّد شاہ کا منظور نظر ہو گیا۔ سلطنت کا تمام کاروبار بالاستقلال انجام دیتا رہا۔ یہاں تک کہ سلطان حسن شاہ نے اس کی دختر کو اپنے عقد میں لے لیا۔ جس سے ایک بیٹا محمّد شاہ نامی پیدا ہُوا۔

سلطان محمّد شاہ کے عہد حکومت میں سیّد ابراہیم خاں مدار المہام کا، جو کہ سیّد حسن کا نبیرہ تھا، اس قدر اقتدار تھا، کہ وہ اتنی بڑی ریاست کے تیسرے حصّہ کا مستقل جاگیردار اور مالکانہ حیثیت رکھتا تھا۔ چک خاندان کی عملداری بڑی جبروت سے قایم تھی، کہ ابراہیم خاں کے بیٹے سیّد مبارک خاں نے اپنے علمی تدبّر، اور خداداد قابلیت کی بدولت بہت کچھ ترقی کی۔ اہل دربار کے زمرے میں شامل ہُوئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں مدار المہام کا رتبہ حاصل کیا۔ اور تقریباً چھ ماہ تک تمام کاروبار حکومت بذاتِ خاص انجام دیتے رہے۔ دس سال سے کچھ زیادہ عرصہ کے بعد چک خاندان کی جابرانہ حکومت حالتِ نزع میں تھی، کہ اکبر شاہ نے زبردست حملہ کر کے اس سرزمین کو فتح کر لیا۔ اکبر شاہ نے سیّد مبارک خاں کو اپنے پاس بُلا کر کاروبارِ حکومت کی انجام دہی پر مامور کیا۔ مگر آپ حضرت مخدوم کی تعلیم و تلقین کے اثرات کی وجہ سے رضامند نہ ہُوئے۔ اور دُنیاوی جھمیلوں میں پڑنے سے انکار کر دیا۔

(۸) سیّد حسین۔ سیّد حسین بن سیّد رحمت اللہ نے جن کا نسب نامہ پندرہ پُشت کے سلسلہ میں امام زین العابدینؑ تک جا ملتا ہے، اپنے آبا و اجداد کے قدیمی وطن مدینہ منورہ کو خیرباد کہہ کر نہ صرف آپ نے بلکہ آپ کی چار پشتوں نے ہرات میں سکونت اختیار کی۔ پانچویں پشت میں سیّد امیر خاں نے ہرات سے نقل مکان کر کے کشمیر جنت نظیر کو اپنا وطن بنایا۔ طبیعت پہلے ہی صوفیانہ مسائل کی طرف مائل تھی، مگر یہاں آ کر حضرت مخدوم کے فیضانِ صحبت سے روحانی تعلیم کے حصول کا شوق اَور بھی بڑھ گیا۔ اور دُنیاوی مشاغل کا انہماک ترک کر دیا۔ آپ فن گلکاری میں

اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اُنہوں نے حضرت مخدوم کی تحریک پر کوہِ ماراں کے جنوبی حصّہ میں جہاں حضرت خلوت نشین تھے، پہاڑ کی چڑھائی کو کاٹ کر ہموار کر دیا، اور اس کے گرد پتھروں کی مضبوط دیوار بنا دی۔ اسی حدبندی کے اندر حضرت مخدومؒ، بابا داؤد خاکی، سید میر خاں، خواجہ ضیاء الدین محمدؒ کے مزاروں کے علاوہ عام مسلمانوں کی قبریں بھی ہیں۔

(۵) ۹۰۹ھ میں جبکہ سلطان محمد شاہ کو حکومت کشمیر سے تعلق پیدا ہُوا تھا، ایک گمنام لوہار کے گھر میں بابا ہردی ریشی پیدا ہوئے۔ آپ کی جائے ولادت کا فخر موضع کاون ایچ کو حاصل ہُوا، جو آجکل اننت ناگ قصبہ اسلام آباد کے نام سے مشہور ہے۔ جوانی کے عالم میں یادِ خدا میں مشغول ہوئے۔ صیّام و قیام، توکّل، ذکر و فکر اور مراقبہ میں سالہا سال تک استقامت کی۔ آخر حضرت مخدوم کی درگاہ میں بڑی عقیدت مندی سے حاضر ہوئے۔ ارشاد نامہ، خرقہ، کلاہِ مبارک حاصل کر کے اپنی روحانی قابلیت سے خلقِ خدا کو مستفید کیا۔ اگر مولانا خاکی کے قصیدہ کے چند اشعار جو حضرت ریشی کے حالات سے تعلق رکھتے ہیں، قلمبند نہ کئے جائیں، تو یہ مختصر تذکرہ نامکمل رہے گا۔ مولانا فرماتے ہیں، ؎

ہر صباحی سالہا اوراد فتحیہ بخواند	ایں یکے بر راستیِ اعتقادش بُود دال
با جماعت سالہا کردی ادا بر پنج وقت	ترک ایں سنت نہ کردی بر ضرورت ہیچ حال
نفلہا در روز و شب کردی ادا خواندی دعا	در مناجات الٰہی کردی از دل ابتہال
ذکرہا میکردی امّا اکثر اندر ذکرِ دل	پاسداریِ نفس بارہا نمودی اشتغال
فہم شد واللہ اعلم از کمالِ طورِ او	اینکہ بود اہلِ شہود و قرب و دیدار و وصال
گفت دیدم موسیٰ و عیسیٰ و ابراہیم و خضر	گوش میکردم نصیحت ہا از ایشاں ہیمال
گفتی اکثر دیدہ ام پیغمبر و یاران او	نقش میکردی از ایشاں پیش ما بعضے مقال
گفت دیدم مرتضیٰ پرسیدم از وی حالِ رفض	گفت ہست اللہ در سنت سلماناں وبال
نیز گفتی دیدہ ام من بارہا مردانِ غیب	پس اشارت بالبشارت من شنیدم زاں بحال
کردہ مسجد بنائے نیز مہماں خانہ ہا	مقبرہ ہم خوش مرتب کرد بر یادِ مآل
کردن کار زراعت بود اکثر میل او	احتیاطِ او بسے بود ست در اکلِ حلال

(۶) حضرت روپی ریشی - بیان کیا جاتا ہے، کہ حضرت روپی ریشی ۸۷۷ھ میں پیدا ہُوئے۔ اور ۹۹۷ھ میں عالم فانی سے رحلت فرما گئے۔ اس حساب سے آپ کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی - ابھی جوانی کا عالم تھا، کہ فانی و غیر باقی دُنیا کے تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے - بادۂ عرفان سے مست و سرشار ہو کر بزرگانِ دین کے ارواح سے فیوض و برکات کا حظ اُٹھایا۔ اُستروَنْ پرگنہ اولری کے پہاڑ پر مُدت تک خلوت نشین رہے - ظاہری مرشد کی جستجو کے لئے بڑی کوشش کی، اور آخر حضرت مخدوم کے حلقۂ ارادت میں داخل ہُوئے - ریشیانہ طرزِ عمل آپ کی طبیعت نے پسند کیا - روزہ داری اور شب بیداری میں محو ہو گئے - مولانا خاکی یہ بیان کرتے ہیں، کہ حضرت مخدوم کو قوت ابدالی کی بدولت بدن بروز کا مقام حاصل تھا۔ جس کی بنا پر حضرت شیخ روپی ریشی کے ایک خاص واقعہ کا اس طرح ذکر کیا ہے - ؎

باتنِ مکتسۂ یک ریشئ سیاح بود
رہنمائے روپ ریشی بر کوہِ اولر شد است

(۷) فیروز گنائی - کشمیری الاصل گنائی خاندان میں مخدوم بابا عثمان، اوچ گنائی، اور مُلّا توتی گنائی کے بعد ملا فیروز گنائی جس کو بچی گنائی بھی کہتے ہیں، نہایت شہرت رکھتے تھے۔ جو کہ ۹۰۳ھ میں پیدا ہُوئے، بچپن ہی سے آپ کو لکھنے پڑھنے کا شوق تھا، فارسی، عربی اور درسیہ علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل کی، اور پھر حرمین شریفین کو روانہ ہو گئے - قصبہ بدایون (اودھ) میں آپ مدت تک مقیم رہے۔ ادب، دینیات، اور عقلی فضل و کمالات میں نمایاں مہارت حاصل کی - حضرت خواجہ خضر کی خاص توجہ مسلسل چالیس روز تک مبذول رہی، حدیث، تفسیر، اور معارف کے رموز و اسرار منکشف ہو گئے۔ عرب سے واپسی پر حضرت مخدوم کی خدمت میں زانوئے ادب تہ کیا - اور باطنی فیوض کو درجۂ کمال تک پہنچایا - چنانچہ مولانا خاکی نے فرمایا ہے :- ؎

مولوی فیروز از فیروزئ تلقین او
زود از انتاج نورِ ذکر فرخ فرشد است

(۸) نتو گنائی - مشہور گنائی قبیلہ سے ایک مقتدر بزرگ نتو گنائی اپنی ذاتی

قابلیت کی بدولت سلطان زین العابدین بڈشاہ کے عالی شان شاہی دربار میں فائز ہوئے، اور گراں قدر جاگیر حاصل کی۔ آپ اور آپ کے عموزاد بھائی مخدوم بابا اوچیب گنائی انتقال کے بعد شاہی گورستان میں دفن کئے گئے۔
سلطان بڈشاہ کی وفات کے بعد زمانہ نے کئی پلٹے کھائے۔ جاگیرداروں کی جاگیرات، سرکاری عطیات اور دیگر ذرائع معاش بند اور ضبط ہو گئے۔ نیا دور آیا، نئے واقعات ظہور میں آئے۔ سلطان حسن شاہ عیش و عشرت اور رقص و سرود کا دلدادہ ہو گیا۔ سلطان محمد شاہ فتح شاہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے۔ خود غرض اُمرا و اکابر کے فتنہ و فساد نے عملداری کا نام و کام حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔
اِنہی دنوں میں حسن گنائی نے بقدر ضرورت درسی تعلیم کا خاص استفادہ کیا۔ فارسی عربی کتابوں کے مطالعہ اور عبور کے علاوہ فن خوشنویسی میں بھی کامل دستگاہ ہو گئی۔ اور اِس سے وجہ معاش کی بہترین صورت نکل آئی۔ دُنیاوی مشاغل کے علاوہ آپ کی طبیعت اوراد و وظائف کی طرف بھی راغب تھی۔ اس شغلہ میں معروف رہے، لیکن اس کے آداب و قواعد کا چنداں لحاظ نہ تھا۔ اچانک فالج کا حملہ ہُوا۔ اور اس عالم فانی سے کوچ کر گئے۔
شیخ بابا داؤد خاکی آپ کے فرزند ۹۲۸ھ کتم عدم سے عالم وجود میں آئے۔ جو کہ اعلیٰ علمی لیاقت اور عملی قابلیت کے حصول سے ابو حنیفہ ثانی کے لقب سے یاد کئے گئے۔ آپ کی عمر ابھی نہایت چھوٹی تھی۔ کہ سر سے ماں باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ باوجود یتیم اور بے سروسامان ہونے کے ہمّت، توجہ اور حوصلہ کو ہاتھ سے نہیں دیا حصول تعلیم میں ہمہ تن کوشاں رہے۔ اخوند مُلّا بصیر اعمیٰ، مولانا میر رضی الدین، اخوند مُلّا شمس الدین پال کی مشہور و معروف درسگاہ میں جا کر فقہ، حدیث، تفسیر، ادب، دینیات اور معقول و منقول کی کافی تعلیم حاصل کی۔ اور شعر و سخن میں خوب نام پایا۔ فرمانروائے کشمیر کو جب آپ کے علم و فضل کا حال معلوم ہُوا۔ تو نہایت خاطر و مدارات سے پیش آیا۔ اور سالانہ ایک سو خروار شالی کے علاوہ ایک سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی، اور اپنے بیٹوں کا اتالیق مقرر کیا۔ آپ کشتی پر سوار ہو کر نہایت کر و فر سے جایا کرتے تھے۔ بارہ برس سے زائد مدّت تک دُنیاداری، درباری کاروبار اور درس و تدریس کا فرض

انجام دیا۔
ایک دن حضرت مخدوم بمقام مخدوم منڈو اپنی خاص عبادت گاہ میں وعظ وکلام فرما رہے تھے۔ مولانا خاکی کو طلب فرمایا، آپ کے روحانی مواعظ سے ایسے متاثر ہوئے۔ کہ علائق دنیوی اور دربار شاہی سے تعلق قطع کرلیا۔ نفسانی خواہشات سے مخلصی پائی، اور گھربار، عیال و اطفال کی محبت فراموش کر کے حضرت مخدوم کی خدمت گذاری میں منہمک ہو گئے۔ ۹۶۸ھ میں حضرت مخدوم سے خلوت نشینی کا ارشاد حاصل کیا۔ جس کی تاریخ "چلۂ ذکری" ہے۔ ۹۷۰ھ میں باضابطہ خلعتِ ارشاد و خلافت نامہ حاصل کر کے مسند ہدایت پر بیٹھے۔ ارشاد حاصل کرنے کی تاریخ "شیخ حمزہ" سے نکالی گئی۔ ۲۴ برس تک خلافت کا فریضہ ادا کیا۔ اور ۹۹۴ھ میں جبکہ آپ ہردی ریشی کی ملاقات کو تشریف لے گئے، وہ اسلام آباد میں مقیم تھے، دنیا کو خیرباد کہا۔ پہلے آپ ہردی ریشی کی زیارت گاہ میں دفن کئے گئے۔ مگر بعد میں زین الدین رینہ واری وغیرہ کی کوشش سے جو آپ کے خاص خادم تھے، وہاں سے نکال کر حضرت مخدوم کے روضہ میں دفن کئے گئے

(۹) خواجہ حسن قاری عندیمری جن اہلِ علم بزرگوں نے نہایت خصوصیت کے ساتھ علم قرات کی تحصیل کا کامل شوق پیدا کیا، اُن میں خواجہ حسن قاری عندیمری کا اسم مبارک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ جو کہ صاحب جاہ و ثروت ہونے کے باوجود حفظِ قرآن، علم و فنون، قرأت و تجوید کی دولتِ گراں قدر سے مالا مال ہوئے۔ کاروبار تجارت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس سے بھی طالبان علم کو ممنون و مسرور فرمایا کرتے۔ اس لئے شاگردوں کا ایک حلقہ آپ کے گرد رہتا تھا۔ اس روحانی مشغلہ میں جب آپ کے دل کے صاف آئینہ پر عشق الٰہی کے نور کا پرتو پڑا۔ تو حضرت مخدوم کی درگاہ میں حاضر ہوئے۔ دُنیاوی اشغال و اعمال سے بے تعلق ہو کر سیر سلوک کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہوئے۔ اور سلسلہ سہروردیہ کا ارشاد نامہ حاصل کر کے حضرت اولیا و انبیا اور خصوصاً حضرت رسول مقبولؐ کی نورانی روحانیت سے فیوض و برکات سے بہرہ اندوز ہوئے۔

حضرت مخدوم کی وفات کے بعد حکومت کے ناموافق طریق کے باعث قدیم

وطن محلّہ بلدیمر ترک کر کے موضع شیوہ پرگنہ زینہ گیر کے ایک دلکشا و روح افزا گوشہ میں اقامت اختیار کی۔ اور رُوحانی تعلیمات کی اشاعت اور پیری و مریدی کا کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ راحۃ الطالبین آپ کی مصنفہ کتاب میں حضرت مخدوم کے حالات و مقامات کا ایک خاص تذکرہ ہے۔ یہ کتاب ۹۸۲ھ میں تصنیف ہُوئی۔ آپ نے ۹۹۹ھ میں اِس دُنیائے فانی سے انتقال کیا۔

(۱۰) خواجہ اسحاق قاری بلدیمری۔ خواجہ حسن قاری کے حقیقی بھائی خواجہ اسحاق قاری بلدیمری بھی بڑے روحانی مزاج اور خدا پرست تھے۔ پہلے آپ ایک مشہور قلندر شیخ احمدؒ سے روحانی فیض حاصل کرتے رہے۔ اور پھر حضرت مخدوم کے حلقۂ ارادت میں آئے۔ ۲۲ سال تک آپ اور آپ کے محترم بھائی خواجہ حسن قاری نے مقام شیوہ میں قیام فرما کر پیرانِ طریقت کی تعلیم و اذکار کی حفاظت میں کوشاں رہے۔ خواجہ اسحاق نے ایک کتاب حجۃ العارفین ۹۸۲ھ میں تصنیف کی، جس میں حضرت مخدوم کے حالات قلمبند فرمائے۔ پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے، جہاں ڈیڑھ سال خانۂ کعبہ کی مجاوری کی۔

(۱۱) مُلّا احمدؒ چاگلی۔ آپ چاگل علاقہ مچھی پورہ میں ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ آپ کے حالات سے صرف اس قدر لکھا جاتا ہے، کہ آپ کو حضرت مخدوم سے کس قدر گہرا دلی تعلق تھا۔ ایک واقعہ ہے، کہ آپ کو ایک بڑا پُل دکھایا گیا۔ جس کی نسبت کہا جاتا ہے، کہ یہ حضرت مخدوم کا پُل تھا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد جب آپ نے اسے عبور کیا، تو دوسری طرف ایک عالیشان مکان دیکھا۔ جس کے بالاخانہ سے حضرت مخدوم دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے "مُلّا احمدؒ! اُوپر آجا۔ چنانچہ اوپر چڑھ کر حضرت مخدوم کے پاس بیٹھ گئے۔ یہ واقعہ رات کا تھا، دوسرے روز علی الصبح جب مُلّا احمدؒ حاضرِ خدمت ہُوئے، تو حضرت مخدوم نے خواب کا تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا۔ "اے مُلّا احمدؒ! ترا از درگاہ قبول کردند، بیا بیعت بکن"۔ فوراً غسل کر کے شوق و ذوق سے بیعت کی، اور ہرموُن کے پہاڑی غار میں خلوت نشینی اختیار کی۔ چھ سال تک ریاضت و نفس کشی کی، اور اکل و شرب کے ترک کی سختی برداشت کی۔ صرف جنگل کے گھاس پات پر گذارہ کرتے رہے، کوہستانی حیوانات شیر، چیتے، ریچھ

وغیرہ آپ سے اُنس رکھتے تھے۔ چھ ماہ کی ریاضت، عبادت اور گوشہ نشینی کے بعد حضرت مخدوم کے پاس موضع جاگل میں آئے۔ اور اُنہوں نے کھانے پینے کا ارشاد کیا۔ پھر کیا حال تھا۔ ؎

بود اورا غذائے روزمرہ — دو من خانے از برنج و ترہ
گاہ کوہی کہ خود بخود از کوہ — آمدے سوئے مطبخش بشکوہ
مطبخے پختہ در زماں کردے — او بیک لحظہ نوش جاں کردے
بطہارت گہے نشد محتاج — نہ بروزانہ و نہ در شب داج
بود ایں حال تا بسے سالش — بود حیراں ہمہ ز احوالش
باز سلطان از مقام گہش — داد بر پایۂ بلند رہش

(۱۲) خواجہ حسن بتولی۔ موضع چندہ پورہ پرگنہ کھاہو پارہ کا وہ باشندہ جس کا نام حسن بتولی تھا، حضرت مخدوم کے دروازے پر حاضر ہو کر حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ خواجہ حسن نے آپ کی رہنمائی اور ریاضت و عبادت کی بدولت فنا فی الشیخ کا مقام حاصل کیا، آپ ہر کام کے شروع میں "بسم اللہ یا حضرت مخدوم" کہتے تھے۔ اور ہر ایک مقصد میں اپنے پیر بزرگوار کا نام کامیابی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مخدوم کی بے انتہا عنایت نے آپ کو معرفت و عرفان کے بڑے درجہ تک پہنچا دیا۔

(۱۳) شیخ بہرام گور تنگی۔ حضرت مخدوم نے شیخ بہرام گور تنگی کو اپنی سرپرستی میں بڑا پایہ بخشا۔ اور شیخ بہرام نے بھی تمام دُنیاوی تعلقات اور نفسانی وابستگیوں سے کنارہ کش ہو کر حضرت مخدوم کی ہدایات پر دل و جان سے عمل کیا۔ یہاں تک کہ حضرت مخدوم نے اپنے مجذوب خلیفہ زینی شاہ کو پیغام بھیجا، کہ شیخ بہرام کی جبکہ وہ گور تنگو پرگنہ ادنر کے تنگ و تاریک غار میں خلوت نشین تھے، خدمت گذاری کے آداب بجالائے۔ پیغام پہنچتے ہی مجذوب زینی شاہ اور ملک مسعود چک جو مجذوب زینی شاہ کا بھائی تھا، آپ کی خدمت گذاری نہایت خوشی سے کرتے رہے۔

(۱۴) بایزید شمہ ناگی۔ رات کا وقت تھا، چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ زمینداری کے شغلے میں دن کے تھکے ہوئے بایزید شمہ ناگی پاؤں پھیلائے غافل سویا پڑا تھا، کہ کسی نے کہا۔ "جلدی اُٹھو، حضرت مخدوم کی درگاہ میں حاضر

ہو کر اُن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو جاؤ۔" چنانچہ آپ صبح اُٹھ کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نفسانی ہوا و ہوس سے توبہ کی، اور عبادت الٰہی کے شغلہ میں منہمک ہو گئے۔ کشمیر سے چلے اور حرمین شریفین تک پیدل سفر کیا۔ واپس آکر شہ ناگ میں ایک بے در و دریچہ مختصر سا حجرہ بنایا۔ جس میں اپنی عمر عزیز ذکر و فکر، مراقبہ اور یاد خدا میں صرف کی۔

(۱۵) خواجہ عثمان کول۔ یہ ایک مشہور، متمول، اور بارسوخ شخص تھے۔ حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہو کر سرگرمی و مستعدی سے فرض خدمتگذاری ادا کیا، اور اُن کے لطف و کرم سے روحانی فیض حاصل کیا۔

(۱۶) خواجہ ابراہیم کول بڑے دولت مند اور مشہور تاجر تھے۔ مگر دُنیوی مشاغل میں مصروف ہونے کے باوجود حضرت مخدوم سے علمی و روحانی تعلیم حاصل کر کے نئی زندگی حاصل کی، اور مجاہدہ نفس کرتے رہے۔

(۱۷) مولانا میر محمدؐ افضل۔ ایک دن کا ذکر ہے، کہ مولانا میر محمدؐ افضل پر جو کہ علوم و فنون اور معقول و منقول میں باتعریف کامیابی حاصل کر کے درس و تدریس کا اہم فرض انجام دیتے تھے، زیارتِ حرمین شریفین کا اشتیاق غالب آیا۔ رات کو خواب میں کیا دیکھتے ہیں، کہ جناب رسُولِ مقبولؐ نے آپ کو ایک سیاہ رنگ گھوڑا، ایک سفید عمامہ اور ایک سبز عصا عطا فرمایا۔ صبح اُٹھ کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ جواب میں حضرت نے کہا۔ "وعلیک السلام یا حاجی افضل!" تھوڑے وقفہ کے بعد حضرت مخدوم نے ایک سیاہ رنگ گھوڑا، ایک سفید عمامہ، اور ایک سبز عصا عطا کر کے فرمایا۔ "یہ وہ چیزیں ہیں، جو رات کو حضرت رسُولِ مقبولؐ نے عطا کی ہیں۔ یہ بات سُن کر از بس متاثر ہوئے، اور رُوحانی مسلک اختیار کر کے حرمین شریفین کو روانہ ہو گئے۔ اور فریضۂ حج بجالائے۔

(۱۸) مخدوم بابا علی رینہ۔ قبل اس کے کہ ہم مخدوم بابا علی رینہ کا مختصر تذکرہ بیان کریں۔ یہ ضروری ہے، کہ بطور اظہارِ حقیقت، یہ بیان کریں، کہ شیخ بابا داؤد خاکی، ابوالظفر بابا نصیب غازی، اور بابا داؤد مشکواتی نے اپنی تصنیف کردہ کتابوں میں بابا علی رینہ کا نام تک بھی حوالہ قلم نہیں کیا۔ لیکن ایک مشہور تاریخ نویس اِس باب میں

لکھا ہے، کہ "گویند کہ برادرِ عینی حضرت مخدوم بود، وبقولِ بعض محققین برادر فرعیؑ اوست" مگر ہم ملّا شہاب الدین متو کی کتاب سلطانی منظوم سے اجمالاً آپکا تذکرہ اخذ کرکے درج ذیل کرتے ہیں۔ کہ آپنے علمائے کرام کی علمی مجالس سے استفادہ کرکے فقہ و حدیث کی کم وبیش شناخت حاصل کی۔ ۱۲ برس تک سیر و سیاحت کرکے پیرو مرشد کی تلاش کی، اور ہادیانِ ملّتِ اور ماہرین سیر و سلوک کی خدمت میں زانوئے ادب تہ کیا۔ مگر طلب کی پیاس نہ بجھی۔ حرمین شریفین گئے۔ روضۂ مقدس کی زیارت کی۔ اپنی آرزو کا اظہار کیا۔ مکاشفہ کی حالت میں جناب رسول مقبولؐ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت مخدوم کے سپرد کیا، اور فرمایا، کہ "اپنے پیارے سچے طالب کو تربیت کریں" بابا علی فوراً واپس آئے، اور حضرت مخدوم نے میر بابا حیدر، شیخ داؤد خاکی، اور خواجہ اسحاق قاری کو ہیراپورہ کے مقام تک استقبال کے لئے بھیجا۔ وطن پہنچ کر حضرت مخدوم سے روحانی فیض حاصل کیا۔ پھر بمعیّت شیخ بابا داؤد خاکی ملتان چلے گئے۔ اور وہاں چند سال تک اقامت پذیر رہے۔ واپس آکر پھر موضع تیجر میں اقامت اختیار کی۔ کہتے ہیں، کہ تذکرۃ العارفین آپ کی تصنیف ہے، جس میں حضرت مخدوم کے حالات مذکور ہیں۔

(۱۹) خواجہ میرم اسکندر پوری۔ ہم عصر تذکرہ نویسوں نے خواجہ میرم اسکندر پوری کی نسبت لکھا ہے، کہ "تاجرے مالدار نامدار بود" ساتھ ہی آپ کا قلبی زہد و تقدس اور روحانی اقتدار کی تعریف و توصیف کرکے لکھتے ہیں، کہ "حضرت مخدوم کی تربیت وصحبت سے اذکار و افکار اور ورد و وظائف کے دلدادہ تھے۔ ابدالوں کے مخصوص زمرہ میں شامل تھے۔ تذکرۃ المرشدین کا ایک بڑا رسالہ اپنے پیرو مرشد کے حالات میں تصنیف کیا۔ آپ شاعر بھی تھے۔ اور آپ کی کوئی طبعزاد غزل عرفان وحقائق سے خالی نہ ہوتی تھی

(۲۰) بابا علی صوفی۔ کوئی وقت ایسا نہیں تھا، کہ حضرت مخدوم کے لنگرخانہ میں کھانا نہ پکتا تھا۔ لنگرخانہ کا تمام انتظام بابا علی صوفی کے ذمّے تھا۔ جو کہ فارسی و عربی کی درسی کتابوں کے بڑے عالم تھے، اور انہوں نے اپنے بزرگوار مرشد کی صحبت سے عرفان کا درجہ حاصل کیا۔ محلہ مخدوم منڈو میں آپ سکونت پذیر

تھے۔ اور حضرت مخدوم کے ارشاد و ہدایات پر کاربند رہتے تھے۔

(۲۱) حضرت مخدوم کی مربیانہ توجہات سے بے شمار حیوانات کو فیوض حاصل ہوئے۔ چنانچہ ایک گھوڑے نے آپ کی نظرِ لطف سے آگاہی، شناخت اور قوت ادراک کا درجہ حاصل کیا۔ اس کی نگرانی صوفی الہداد کو سپرد ہوئی، جو اپنے پیرومرشد کے جاں نثار خدمتگذار تھے۔

(۲۲) ملک ریگی دار۔ ملک ریگی دار حضرت مخدوم کے مخلص پیرو تھے۔ اُن کے اشغال و اعمال کا طریقہ یہ تھا، کہ اپنے پاؤں پر کھڑے رہے، اور دماغی قابلیت سے کام لیا۔ اکابرین کے زمرے میں شامل تھے۔ محلہ عالی کدل میں دریائے بہت کے کنارے پر سربفلک تعمیرات مساجد کے وسیع احاطے بنائے۔ محلہ مورہ کے سطح وہموار کریوہ پر بھی ایک بڑا باغ بنایا۔ جیسا کہ وہ دُنیاوی جاہ و جلال میں بڑا پایہ رکھتے تھے، ویسے ہی جذبات روحانی اور خدا پرستی میں بھی خاص شغف رکھتے تھے۔

(۲۳) قاضی میر موسیٰ شہید۔ گلزارِ خلیل میں لکھا ہے۔ کہ میر محمدؐ علی قاضی بڈشاہی کے داماد میر سکندر تھے۔ میر سکندر کے دو بیٹے قاضی میر ابراہیم اور قاضی میر موسیٰ شہید تھے۔ قاضی میر موسیٰ کو اُن کے فاضل باپ نے نہایت اعلیٰ تعلیم و تربیت دلائی۔ جس سے خاندان کے نام کو چار چاند لگ گئے۔ آپ قاضی القضات کے منصب پر مامور ہونے کے باوجود حضرت مخدوم کے دامن سے وابستہ رہ کر باطنی معارف اور رُوحانی فیوض حاصل کرتے تھے۔ جب یعقوب خاں چک نے سرزمین کشمیر پر اپنی مستبدانہ حکومت قائم کی، تو قاضی موسیٰ کو مجبور کیا، کہ وہ اِس امر کا فتوی لکھدیں، کہ موذن اذان میں "علی ولی اللہ" کلمہ شامل کیا کریں۔ قاضی موسیٰ نے اس بات کو خلاف سنت سمجھ کر انکار کر دیا۔ اس لئے یعقوب خاں نے برسرِ اجلاس شہید کر دیا۔ اور اُن کی لاش کو ہاتھی کی دُم سے باندھ کر تمام شہر میں پھرایا۔ اِس طرح جب لاش گھر پہنچی، تو اُنکی والدہ محترمہ نے لاش پر اپنا دوپٹہ نثار کیا۔ اور خدا کا شکر بجالائی، کہ میرا بیٹا خدا کے راستے میں شہید ہُوا۔ قاضی موسیٰ کی تاریخ شہادت یہ ہے:۔

قاضیٔ دیں در رہِ ربِّ مجید	بہر دیں جامِ شہادت در کشید
بہر تاریخ وصالش گفت دل	از تجلی آمد، اِیں موسیٰ شہید

۹۹۳ھ

(۲۴) مجذوب زینی شاہ - موضع کوپہ وارہ میں ایک مشہور بارسوخ خاندان رہتا تھا - اُس کے ایک فرد زینی شاہ نے مجذوبیت ولایت کا مقام حاصل کر کے خاص شہرت پائی - یہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے - بلکہ ملک مسعود چک کے حقیقی بھائی اور حکومت وقت میں شاہی درباری تھے - اور ترقی کر کے سپہ سالاری کے عہدے پر ممتاز ہوئے - ایک دن اپنے خدم وحشم کے ساتھ موضع ریگی پورہ میں خیمہ زن تھے - کہ ایک نورانی شعلہ آسمان سے گرا - اور اُس نے آپ کے جسم کو گھیر لیا - زینی شاہ بے خود سے ہو گئے - چند روز محویت کے عالم میں رہے - اس کے بعد دنیاوی تعلقات اور درباری اعزاز سے دستکش ہو کر دیوانہ وار شاہد مقصود کی تلاش میں پھرتے رہے - جینا مرنا اور کھانا پینا سب کچھ بھول گیا - محویت و مجذوبیت کے باوجود حضرت مخدوم کے پاس آ کر سر تسلیم خم کرتے تھے - ؎

بدرِ شیخ حمزہ رہ اُفتے — ہر چہ دارم از وست می گفتے
گاہے اندر یلاق مست شدے — شیر در زیر پائش پست شدے

(۲۵) میاں عبد الرحمٰن عرف مانک شاہ - جن دنوں آپ پہکلی کے دہ میں پیدا ہوئے، اُس زمانہ میں چکوں کی حکومت تھی - آپ کا سال پیدائش ۹۸۰ھ علمی فضائل حاصل کئے، پیشہ زمینداری اختیار کیا - جب روحانی کمال کی وجہ سے دنیا کے نشیب و فراز معلوم ہوئے، تو زراعت کا پیشہ ترک کر کے مجذوبانہ مسلک پر کاربند ہوئے - اور عالم محویت میں پہاڑی دروں اور غیر آباد وادیوں میں سیر و سیاحت کرتے پھرے - حضرت مخدوم کی درگاہ میں آ کر بڑی ارادت مندی سے فیضان روحانی سے متمتع ہوتے رہے -

---

باب ہشتم

ارشادات وہدایات

یگانۂ روزگار حضرت مخدوم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات واقعی

حقائق و معارف سے لبریز اور جذبات روحانیت سے مملو ہیں، جو ناظرین کرام کی خاطر اسرار الاسرار سے اخذ کر کے درج کئے جاتے ہیں :-

(۱) مرید کے دل میں جب تک طلب کا جذبہ پیدا نہ ہو، تب تک پیر کی کشش رائیگاں ہوگی۔

(۲) مبتدی کو اپنے بیٹے کی آنکھ کا خفیف سے خفیف درد بھی ملکوت کی سیر سے واپس لاکر ناسوت کی نچلی منزل میں پہنچا دیتا ہے۔ لیکن منتہی کو پیارے بیٹے کی موت ملکوت کی منزل سے جبروت کی اعلیٰ مسند پر بٹھا دیتی ہے۔

(۳) لوگ اپنے کرتوت پر افسوس کیا کرتے ہیں، لیکن میں لوگوں کے کرتوت پر افسوس کرتا ہوں، کیونکہ مجھے ایک خاص واقعہ میں جہنم اور جہنمیوں کا ایک بڑا گروہ دکھایا گیا ہے۔ میں نے سوال کیا، کہ یہ لوگ کون ہیں، جواب ملا، کہ یہ لوگ تمہارے حالات کے منکر ہیں۔ اس وجہ سے میں افسوس کرتا ہوں، کہ میرے حالات کے انکار کے باعث بہت لوگوں کو دوزخ میں جانا پڑیگا۔

جو کوئی صداقت سے میرے دروازے پر آئیگا۔ صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ جنت میں جگہ پائیگا۔

(۵) عارف و متعارف دونوں سیر و سلوک کا راستہ طے کرتے ہیں۔ مگر عارف سیر کرتا ہُوا حضرت رحمان سے جا ملتا ہے، اور متعارف ابلیس تک۔

(۶) عرفا کی تقلید سے کوئی شخص عارف نہیں ہو سکتا۔

(۷) صرف ایمان ہی سے خسران کا ازالہ نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اسکے ساتھ اچھے اعمال نہ ہوں۔

(۸) اچھے اعمال ایمان کے ساتھ لازمی اور وابستہ ہیں، وہ ایمان جس کے ساتھ اچھے اعمال شامل نہ ہوں ہمیشہ متزلزل رہیگا۔

(۹) خیر جاری وہ بیٹا ہے، جو اپنے باپ کا سچا جانشین ہو۔ لیکن شر جاری ایک ناخلف بیٹا ہے۔

بابِ نہم

وصال

علی شاہ چک فرماں روائے کشمیر کی تخت نشینی کو چھ برس گذرے تھے، کہ سرگروہِ اصفیا اور فخرِ اولیا حضرت مخدوم ہزارہا بندگانِ خدا کو فیضانِ معرفت و حقیقت سے بہرہ اندوز فرما کر اس دُنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے
اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔

دُنیا مقامِ فنا ہے، یہاں کسی کو بقا نہیں۔ بقائے دوام صرف رب العزّت کے لئے ہے۔ لیکن خدا کے مقبول اور پاک بندوں کو کبھی موت نہیں آتی۔ خدا تعالیٰ اپنا اصول اور قانونِ قدرت پورا کرنے کے لئے انہیں ایک مقام سے دوسرے مقام میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جس کا نام انتقال یا موت رکھا گیا ہے۔ ؎

اگر عالم ہمہ بر باد گیرد　　چراغ مقبلاں ہرگز نہ میرد

رحلت کے وقت آپ کی عمر ۸۴ برس تھی۔ صرف سات دن کی علالت کے بعد ماہِ صفر کی ۲۴ تاریخ کو مقام منڈو میں رحلت فرمائی۔

خواجہ محمد طاہر رفیق اشائی نے غسل دیا، اور نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ کے ساتھ، خاص و عام، اولیا و صلحا، علما و سادات اور مشہور بزرگانِ دین ہزاروں کی تعداد میں عید گاہ تک گئے۔ علی شاہ چک بھی ساتھ تھا۔ آخر کوہ ماراں کے جنوبی گوشہ میں جہاں آپ خلوت گزین ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے، دفن کئے گئے۔

آپ کی تاریخہائے وفات اور درد انگیز مراثی اکثر شعرائے وقت نے لکھے ہیں جن میں سے مولانا خاکی کا طبعزاد قطعۂ تاریخ ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؎

غریقِ رحمت آں مخدوم حمزہ　　کہ بودہ سالکاں را شیخ و مخدوم
زمرحومیّتِ حق کردہ قسمت　　میانِ مخلصاں در فیض مقسوم

بروزِ بست و چارم از خدا شد حظِ روزی و دنیائیش مختوم
چو جستم سالِ تاریخِ وفاتش مناسب یافتم مخدوم مرحوم
الٰہی! جو یہائے رحمتِ خود فراواں کن رواں تا یومِ معلوم

حضرت مخدوم کی تصویر جس طرح قدیم انبیا و اولیا مثل حضرت عیسٰیؑ، حضرت موسٰیؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت علیؓ، حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ، مخدوم داتا گنج بخشؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ وغیرہم کی فرضی تصاویر عموماً پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح سرزمین کشمیر میں بزرگان دین، شیخ العالمؒ، شیخ نور الدین ریشیؒ، حضرت قطب العالم، شیخ بہاء الدین گنج بخش، اور حضرت مخدوم کی تصاویر بھی موجود ہیں۔ لیکن حضرت مخدوم کی تصویر سرکاری عجائب گھر کے علاوہ قدیم دو سلم اور غیر مسلم خاندانوں میں موجود ہے۔ جو ایک محترم دوست کی نظروں سے گذری۔ اور اسکی نسبت دریافت کیا، کہ یہ تصویر کہاں سے حاصل کی گئی؟ اُن کی زندگی میں بنی تھی، یا اُن کے بعد؟ حضرت مخدوم جو ولی کامل اور شریعت کے سختی سے پابند تھے، کیا وہ اپنی زندگی میں تصویر کشی کی اجازت دے سکتے تھے. یا اگر اُن کے بعد بنی ہے، تو کیا وہ اصل تصویر ہو سکتی ہے؟ مگر اس کے متعلق میرا اطمینان نہیں ہوا۔

تصویر میں حضرت کی جو وضع قطع اور پوشاک دکھائی گئی ہے، وہ اس سے بالکل مختلف ہے، جو آپ کے حالاتِ زندگی سے پائی جاتی ہے۔ مثلاً سر پر سفید رنگ کی پگڑی اس وضع کی ہے، جیسی کشمیری پنڈت باندھتے ہیں۔ کندھوں پر شملہ لٹک رہا ہے۔ خوبصورت سفید رنگ کا لمبا چغہ زیب تن ہے۔ جس کی چوڑیدار لمبی آستینیں کسی قدر تنگ پائی جاتی ہیں۔ سرسبز درختوں کے نیچے، رنگین چھینٹ کے بڑے گاؤ تکیہ سے سہارا لگائے، اس انداز سے بیٹھے ہیں، جیسے کوئی قرآن شریف یا وظیفہ پڑھنے کے لئے دو زانو بیٹھا ہو۔ چہرہ اور بدن کے کھلے حصّہ کا رنگ سرخ ہے۔ مٹھی بھر مدوّر داڑھی سفید ہو چکی ہے۔ بادام سی آنکھیں ہیں۔ ناک تھوڑی سی موٹی اور بلند ہے۔ اعضا میں نخافت و کمزوری کے باوجود بشاشت کی جھلک پائی جاتی ہے۔

حضرت مخدوم سفید لباس کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ عموماً نیلگوں یا ایسا کپڑا پہنتے تھے، جو میل خور ہوتا تھا۔ آپ کی نسبت کبھی غیر ضروری نمود و نمائش کا خیال نہیں ہو سکتا۔ جب شیخیت، لنگر خانہ اور درویشانہ بابائی کے ادعا سے محض اس بنا پر احتراز کرتے تھے، کہ اس میں بیجا شہرت اور نمائش کی بُو پائی جاتی ہے، اُن سے کب توقع ہو سکتی تھی، کہ اعلیٰ قسم کے کپڑے کے گاؤ تکیئے رکھتے، اور پنڈتوں کی سی پگڑی باندھتے۔ الغرض تصویر بالکل فرضی اور مصنوعی ہے۔ اور آپ کی وفات کے بہت عرصہ بعد بنائی گئی ہے۔

باب دہم

احاطہ زیارت گاہ اور مجاور

اکبر بادشاہ کی مشہور یادگار قلعہ ناگر نگر کے باچہ دروازہ سے تھوڑے فاصلہ پر لکڑی کے معمولی دروازے سے گذر کر پتھروں کی سیڑھی نظر آتی ہے۔ ہر ایک زینہ بلندی و ہمواری میں نہایت موزون و مناسب ہے سیڑھی کی جنوبی اترائی کے سامنے محدود چار دیواری کا مختصر احاطہ پایا جاتا ہے۔ جس میں سادات پارسائیہ سیّد جلال الدین کے علاوہ سیّد باقر حسین، سیّد حسین، سیّد احمدؒ، سیّد جعفر، سیّد ابراہیم اور سیّد محمدؒ کی قبریں موجود ہیں۔ سیڑھی کے تقریباً ۱۵۰ پائے طے کر کے ڈیوڑھی اور دہلیز ہے۔ پھر چار پہلو تختہ پوش چبوترہ بنایا گیا ہے۔ پرانے زمانے میں ایسے مصنوعی چبوتروں کا نام ونشان نہ تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں یہ دوکانداری اور گداگری کا ایک بڑا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ جہاں کہ بیچارے زائرین کو پھانس کر نذر و نیاز لی جاتی ہے۔ کہتے ہیں، کہ یہ چبوترہ نوبت داروں کی خاص جگہ ہے۔ غرضکہ پہلی ہی ڈیوڑھی پہنچتے ہی مفت خوروں اور بیکاروں کا ایک بڑا گروہ استقبال کے لئے موجود ہوتا ہے، اور سائے کی طرح ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ بڑی رعونت کے

ساتھ متکبرانہ انداز میں ہاتھ بڑھا کر بھیک مانگتا ہے۔ اور بجائے دُعائے خیر و کلماتِ نیک کے غیر مشروع اور ناشایستہ باتیں زبان سے نکالتا ہے۔ چبوترہ کے بائیں طرف مگر چار پانچ سیڑھیوں سے گذر کر ایک تخت اور ایک مسجد نظر آتی ہے۔ کہتے ہیں، کہ یہ مسجد سالار بیگ افغان نے بنائی تھی۔ سالار بیگ کابلی پٹھانوں کے زمانہ میں فوج کا بڑا افسر تھا۔ مسجد کے سامنے حضرت مخدوم کے روضہ کی خاص عمارت ہے۔ سب سے پہلا بادشاہ جس کو مقبرہ کی زیارت کا شرف حاصل ہُوا، ابوالمظفر جلال الدّین اکبر بادشاہ تھا۔ اس وقت آپ کی وفات کو صرف چند سال گذرے تھے۔

حضرت مخدوم کے زمانہ میں نہ کوئی روضہ تھا، نہ کسی قسم کی عمارت تھی۔ ایک چوبی کٹہرہ کے اندر حضرت مخدوم اور مولانا خاکی کے مزار تھے، اور اُس کے باہر چند بزرگانِ دین، جو حضرت مخدوم کے خاص خلفا تھے، دفن کئے گئے تھے۔

جب نوّاب عنایت اللہ خاں قلمروِ کشمیر کی حکومت پر فائز ہُوا، تو وہ اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرتا رہا۔ چنانچہ ۱۱۲۵ھ میں اُس نے مقبرہ متبرکہ کی تعمیر اور جنوبی ایوان کے استحکام میں غیر معمولی کوشش کی۔ مزید برآں چوبی کٹہرہ کی جگہ پختہ دیوار کا مختصر احاطہ کر دیا۔

سکھّوں کی عملداری میں شیخ غلام محی الدّین ہوشیار پوری عہدہ نظامت پر مقرّر ہو کر کشمیر میں آیا۔ تو اس نے حضرت مخدوم کے مقدس حالات سُن کر خالص عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ اور حکم دیا، کہ عظیم القدر بزرگ کے شایانِ شان مقبرہ بنایا جائے۔ چنانچہ سابقہ تعمیر کردہ روضہ کو گرا کر صرف کثیر سے قابلِ یادگار روضہ تعمیر کرایا۔ جو کہ اب تک موجود ہے۔ لیکن یہ امر قابلِ افسوس ہے، کہ زیارت گاہ کے احاطہ میں اکابرین کے جتنے مدفن موجود تھے، سب کے کتبے، لوحِ مزار، اور سنگ تربت مٹا کر بے نام و نشان کئے گئے۔ صرف شرقی گوشے میں شیخ غلام محی الدّین ناظم کشمیر کی قبر بدستور محفوظ ہے۔ جس کے سنگ مزار پر تاریخِ وفات کا یہ قطعہ کندہ ہے۔ ؎

شیخ افضل غلام محی الدّین | بود بے مثل در سخاوت و داد
کرد پدرود دار دُنیا را | سوئے عقبیٰ چو رُوئے خود بنہاد
ملہمِ غیب گفت تاریخش | سیّد المرسلیں شفیعش باد
۱۲ ھ ۶۲

خاص زیارت گاہ کے شرقی گوشہ میں دس بارہ سیڑھیوں کے اوپر سے پہاڑی اُترائی کے بالکل متصل پُرانی مسجد یعنی ذاکر مسجد موجود ہے، جو کہ حضرت مخدوم کے زمانے میں تعمیر ہُوئی تھی، اور جس کی شکل وہیئت تغیرات زمانہ، اور مختلف سنوں میں تعمیر و ترمیم کی وجہ سے بدل گئی ہے۔ لیکن جگہ وہی ہے۔ جہاں آپ کی زندگی میں واقع تھی۔ ذاکر مسجد کے سامنے سنگ سفید کا ایک چارپہلو چبوترہ موجود ہے۔ جہاں امیر شیر علی والئے افغانستان کی بیگم وغیرہ مدفون ہیں۔ زیارت گاہ کے جنوب و مشرق میں ایک وسیع قبرستان ہے۔ جس میں سیّد میر خاں کی قبر امتیازی صورت میں ایک چوبی کٹھرے کے اندر واقع ہے۔

ذاکر مسجد کی جانب سے سات آٹھ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد پہاڑ کے سامنے خانقاہ مخدومی کی عالی شان عمارت موجود ہے۔ جس کی تعمیر کی تاریخ کا مصرعہ یہ ہے۔ ع خانقاہِ سدرہ جاہِ پیرما۔ (۱۲۸۸ھ)

خانقاہ مخدومی سے چند قدم آگے ایک چھوٹا سا مگر بہت پُرانا تالاب موجود ہے۔ جس میں پانی آنے کا راستہ تو معلوم نہیں۔ البتہ موجودہ حالت میں عقیدتمند لوگ مشکوں کے ذریعے ہر دوسرے تیسرے سال اس میں پانی ڈال جاتے ہیں۔

حسب ذیل حضرات پٹھان شاہی کے عہد حکومت سے لے کر حضرت مخدوم کی زیارت گاہ، مسجد اور خانقاہ کے متولی رہے۔ (۱) خواجہ سنور شاہ دیوانی رئیس الملک (۲) عبداللہ شاہ پہرہ (۳) خواجہ محی الدین گندرو (۴) خواجہ نظام الدّین درابو (۵) میرزا غلام مصطفیٰ۔

خانقاہ مخدومی سے تھوڑے فاصلہ پر شیخ حسن لابو کا مقبرہ ہے۔ جن کا ذکر تاریخی کتابوں میں مفصل موجود ہے۔ شاہ ولی اللہ عرب اور پیر بزرگ شاہ بھی یہیں مدفون ہیں۔ اب یہ مقام شیخ محمد عرب کے قبرستان کے نام سے مشہور ہے۔

مجاورانِ زیارت

جو لوگ حضرت مخدوم کی مشہور و مقدس زیارت گاہ کے بڑے احاطہ میں شبانہ روز بیٹھ کر صدقات، خیرات اور نذر و نیاز وصول کرتے ہیں، چار قسم کے ہیں۔ (۱) باباصاحبان بالا، (۲) باباصاحبان پائیں (۳) صوفیان (۴) متفرق گداپیشہ۔

نمبر (۱) میں وہ نوبتدار شامل ہیں، جو قلعہ شاہی کے اندر محلہ مخدوم صاحب میں سکونت رکھتے ہیں۔ خاص زیارت گاہ کے سامنے ایک چبوترہ ہے، جسے نوبت کا مقام کہتے ہیں، وہاں بڑے رُعب وداب سے بیٹھتے ہیں، اور مرد و عورت زائرین سے نقد و جنس، غلّہ، چاول، مرغ مرغیاں، جو کچھ بھی ملے، وصول کر لیتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے، کہ یہ لوگ بابا علی رینہ کی اَولاد ہیں۔ دوسرے نمبر میں وہ کثیر التعداد مفت خورے ہیں، جو محلہ مخدوم منڈ میں کلاسپورہ کے آس پاس رہتے ہیں۔ یہ بھی ہفتہ وار نوبت داری سے کام لے کر نقد و جنس وغیرہ وصول کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو صوفی علی دیگ شوئی کی اَولاد جانتے ہیں۔ نمبر اوّل و دوم کو گداگری و نوبت داری کے بُرے مشغلے میں ایسی مجنونانہ محویّت ہُوئی ہے، کہ علم و عمل اور تہذیب و اخلاق سے بالکل معرّا ہو گئے ہیں۔ صوفیان کے باب میں صرف یہ بات قابلِ ذکر ہے، کہ وہ نوبت داروں کی خدمت گذاری کرتے ہیں، اور زائرین سے بڑے بڑے فائدے اُٹھاتے ہیں۔

عوام الناس کو معلوم ہے، کہ یہ سب لوگ جو تعداد میں تین سو سے کم نہیں ہیں، کسب معاش کے لئے ہاتھ پاؤں ہلانے اور قوّتِ بازو سے روزی کمانے پر گداگری جیسی ملعون شے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور دیہات میں جا کر جابجا جوش و خروش سے "حضرت مخدوم حضرت مخدوم" کے نام کے نعرے لگا کر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔

باشندگان کشمیر بخوبی واقف ہیں، کہ نذر و نیاز، منّت اور چڑھاوے کے لئے حضرت مخدوم کی مشہور زیارت کا احاطہ خاص شہرت رکھتا ہے۔ مگر وصولی کا طریقہ ایسا اختیار کیا گیا ہے، جو عقل، اخلاق، اور مذہب کے لحاظ سے سخت قابلِ نفرین ہے۔

باب یازدہم

اعراس مشائخ

ایک زمانہ تھا، کہ خاص خاص لوگ ہر سال بزرگوں کے روزِ وفات پر زیارت گاہوں میں جاکر درود و فاتحہ اور کلماتِ طیبہ پڑھا کرتے تھے۔ اُن مقبول ہستیوں کے سبق آموز حالات زندگی بیان کرتے تھے، حاضرین کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی ترغیب دیتے تھے۔ بظاہر یہ عُرس اور اِن تقریبات پر منعقد ہونے والی مجلسیں روحانی و اخلاقی ترقیات کا موجب ہُوا کرتے تھے، مگر اب بالکل رنگ بدل گیا ہے۔ نہ قرآن خوانی ہے، نہ ورد و وظائف کا مشغلہ ہے۔ نہ مقبروں میں سونے والے بزرگوں کے فضائل و محاسن بیان کئے جاتے ہیں۔ بلکہ کھانے پینے کی اشیا، دوکانداروں کے آوازے، بھیک منگوں کے شور، لہو و لعب کے سامان، اور راگ رنگ کی مجالس کے سوا اَور کچھ ہوتا ہی نہیں۔ اس طرح ہمارے عُرس بجائے مفید ہونے کے عوام کی اخلاقی تباہی کا موجب ہو رہے ہیں۔ وہ کونسی خرابی ہے، جو ان اجتماعوں میں موجود نہیں ہوتی؟ وہ کونسا ناشائستہ فعل ہے، جو اِن میلوں میں سرزد نہیں ہوتا؟ بیہودہ گیت اور اخلاق سوز غزلیات رونق محفل ہوتی ہیں۔ نہ مذہب کا پاس نہ شریعت کا لحاظ، نہ بزرگوں کی عزت، نہ مقدّس رُوحوں کی عظمت، شرک، بدعت، اور فسق و فجور کی گرم بازاری، قمار بازی اور فریب کاری کا ہنگامہ۔ غرضکہ یہ عُرس ہر قسم کی بدیوں کی نمائش گاہ بن رہے ہیں۔ ؎

واے بر ما واے بر احوالِ ما

تقریباً نصف صدی سے حضرت مخدومؒ کی زیارت گاہ پر ہر جمعرات کے روز بڑی کثرت سے لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اور اچھا خاصہ میلہ ہو جاتا ہے۔ مگر خصُوصیّت کے ساتھ بے انتہا ہجوم اور عام زائرین کے دن

یہ ہیں :-

(۱) ۳ ماہ صفر کو حضرت مولانا خاکی کی وفات کی تقریب پر

(۲) ۱۳ ماہ صفر سے لے کر ۲۴ ماہ صفر تک۔ حضرت مخدوم صاحبؒ کی یادگار ہیں۔

(۳) ۲۴ ماہ صفر کو خاص عرس کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ زیارت گاہ کے احاطے میں لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ بڑا بھاری میلہ ہوتا ہے، خیمے، اکھاڑے، ٹولیاں، اور دوکانات کی قطاریں لگائی جاتی ہیں۔

(۴) عیدین کے روز بھی لوگ بکثرت آتے ہیں۔ اور رنگ رلیاں مناتے ہیں۔

(۵) ایام بہار میں جبکہ باغات میں شگوفہ کاری ہوتی ہے، اور پھول کھلتے ہیں، خوب رونق رہتی ہے۔

الغرض ساری روئیداد کو پیش نظر رکھکر یہ لکھنا پڑتا ہے، کہ اس ہجوم کو جو زیارت گاہ میں ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم کے عرس اور وفات سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ سارے مجمع میں جس کی تعداد ہزاروں تک ہوتی ہے، بجز عوام کے لہو ولعب، خورونوش، اور شور وغوغا کے اَور کچھ نہیں ہوتا۔ مجاوروں اور نوبت داروں کی جنگی زندگی کے خوب مظاہرے ہوتے ہیں وہ زائرین اور تماشائیوں سے زبردستی، دھینگا مشتی اور گالی گلوچ کر کے پیسے وصول کرتے ہیں۔ خدا اِن لوگوں کو ہدایت دے